ماہنامہ

جہدِ حق

HRCP

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Monthly JUHD-E-HAQ - December 2017 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 24......شمارہ نمبر 12 ...... دسمبر 2017

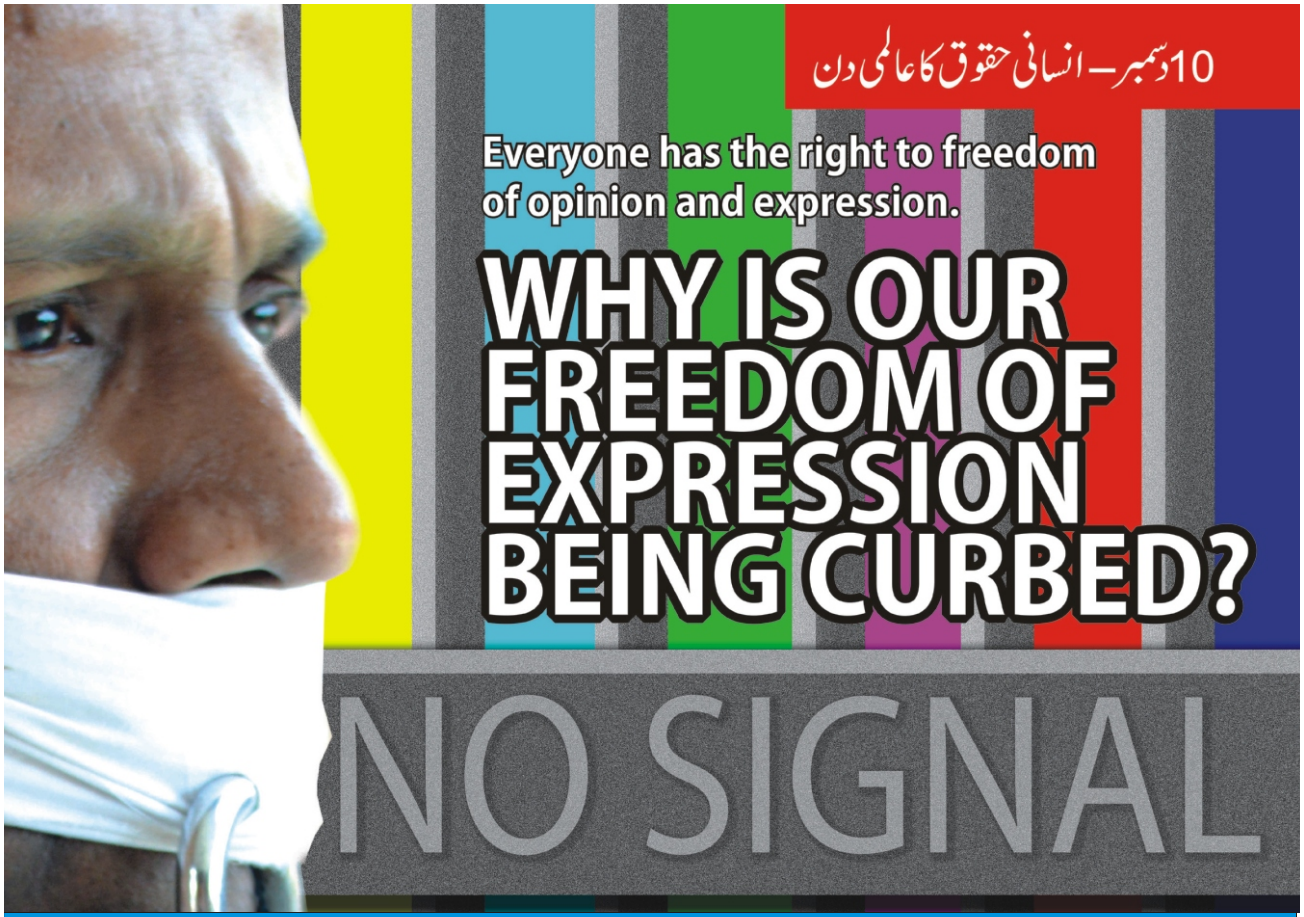

اندرونی صفحات میں ملاحظہ کیجئے

- صدر مملکت کے نام آئی۔اے۔رحمٰن کی درخواست
- معذور افراد کا عالمی دن اور ایچ آر سی پی کا نقطۂ نظر
- جبری گمشدگی: اقوام متحدہ میں پیش کی گئی رپورٹ جھوٹی ثابت ہونے کا خطرہ
- بلوچستان میں پریس اور اظہارِ رائے کی صورتِ حال
- بچوں کے حقوق کے حوالے سے ایچ آر سی پی کا آگہی پروگرام

3 دسمبر: معذوری کے شکار افراد کا عالمی دن

’’حکومت کو اِس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ خصوصی افراد کے حقوق اور ضروریات پر وہ جتنا زیادہ توجہ دے گی، ہماری قوم اُتنی ہی زیادہ صحت مند ہوگی‘‘، آئی۔اے۔رحمان

معذوری کے شکار افراد کی تعداد:

☆ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے مطابق، دنیا میں ایک ارب سے زائد افراد معذوری کا شکار ہیں۔

☆ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے مطابق، معذوری سے مراد کسی قسم کی رکاوٹ یا صلاحیت کی کمی (جو کسی نقص کے نتیجے میں واقع ہوئی ہو) ہے جس کے باعث متاثرہ فرد، زندگی کی سرگرمیاں ایک عام انسان کی طرح انجام دینے سے محروم ہو جائے۔

اقدامات جنھیں ترجیحی بنیادوں پر کرنے کی ضرورت ہے

☆ معذوری کے شکار افراد کے حقوق اجاگر کرنے کے لیے قومی سطح پر آگہی مہم چلائی جائے اور ملک کے عوام کو 'معذوری کے شکار افراد کے عالمی معاہدۓ (سی آر پی ڈی) میں درج معلومات سے آگاہ کیا جائے۔

☆ معذوری کے شکار تمام افراد کو کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ جاری ہونے چاہئیں۔

☆ حکومت کو چاہیے کہ وہ معذوری کے شکار افراد کی مردم شماری پر خصوصی توجہ دے۔

☆ انتخابی عمل میں معذوری کے شکار افراد کی شمولیت یقینی بنائی جائے اور انہیں متعلقہ معلوماتی مواد تک رسائی دی جائے تاکہ وہ انتخابی عمل میں حصہ لینے کے دوران سوچ سمجھ کے فیصلے کر سکیں۔

☆ سیاسی جماعتوں کو اپنے پارٹی منشور میں معذور افراد سے متعلق پالیسی اور لائحہ عمل شامل کرنا چاہیے اور اسے منظر عام پہ لانا چاہیے۔

☆ معذوری کے شکار افراد (ملازمت اور بحالیِ نَو) کے آرڈیننس 1981 کے تحت سرکاری ملازمتوں میں معذور افراد کا جو کوٹہ مختص کیا گیا ہے اُس پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔

☆ پاکستان کو چاہیے کہ وہ ملک میں معذوری کے شکار افراد کی پیشہ وارانہ بحالی نو اور روزگار کے عالمی ادارہ محنت (آئی ایل او) کے میثاق کا مکمل نفاذ کرے اور میثاق کے تحت عائد ذمہ داریاں پوری کرے۔

☆ معذوری کے شکار افراد کو نجی و سرکاری اداروں میں سہولیات فراہم کی جائیں۔

☆ معذوری کے شکار افراد کو اُن کے لیے مددگار آلات کی مفت فراہمی کو یقینی بنایا جائے مثال کے طور پر چھڑیاں، وہیل چیئرز اور قوت سماعت یا بصارت سے متاثرہ افراد کو سننے اور دیکھنے کے آلات مفت دیے جائیں یا کم از کم اُن آلات کی خریداری پر ٹیکس لاگو نہ کیا جائے۔

☆ معذوری کے شکار افراد کے کنونشن (سی آر پی ڈی) میں درج معذور افراد کے حقوق کو تدریسی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔

☆ ایسی تعلیمی پالیسیاں تشکیل دی جائیں کہ معذوری کے شکار بچے عام بچوں میں گھل مل سکیں اور ان کے ہمراہ ملک کے مرکزی تعلیمی نظام سے استفادہ کر سکیں۔

☆ بنیادی، ثانوی، اعلیٰ اور پیشہ وارانہ تعلیم کے اداروں میں معذوری کے شکار طالب علموں کو میرٹ پر داخلہ لینے کا حق دینے کے ساتھ ساتھ اُن کے لیے مختص کوٹہ پر سختی سے عملدرآمد کروایا جائے۔

☆ معذوری کے شکار افراد کو ہر قسم کے استحصال سے بچاؤ کے لیے مؤثر لائحہ عمل تشکیل دیا جائے۔ (معذور افراد کو اپنے مفاد کے لیے بھیک منگوانے والے گروہوں یا اپنے ذاتی نفع کے لیے فلاح و بہبود کے ادارے قائم کرنے والے لوگوں سے ان کا تحفظ بھی اس لائحہ عمل کا حصہ ہونا چاہیے)۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

’’ایوان جمہور‘‘ 107 - ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور - 54600

فون: 042-35838341-35864994-35865969 ، فیکس: 042-35883582

ای میل: hrcp@hrcp-web.org، ویب سائٹ: www.hrcp-web.org

فہرست

ایچ آر سی پی کی طرف سے جاری کردہ پریس ریلیزیں 3
انسانی حقوق کا عالمی منشور 5
بچوں کے حقوق کیا ہیں؟ 8
تھر کو تباہ نہ کرو 11
خود ساختہ تباہی 12
عورتیں 13
خواتین کو ووٹ کا حق دیں 14
ایک افسانوی خاتون سے ملاقات 15
ڈی آئی خان کی مظلوم لڑکی 17
خواتین پر تشدد کے خاتمے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟ 19
خودکشی کے واقعات 20
تعلیم 29
بچے 30
جن کو تعلیم دینی چاہیے، انہیں ہم بھیک کیوں دیتے ہیں؟ ذرا سوچیے 31
دہشت گردوں کے 6 سال میں 35 سے زائد تعلیمی اداروں پر حملے 33
فاٹا کو کب آزادی ملے گی؟ 35
مذہبی اقلیتوں کے لیے طرز انتخاب کیا ہو؟ 36
انسانی حقوق کی ملکہ اور قومی خجالت کے نشان 41
ہم سب جنونی ہیں 42
لیبیا کا کریہہ چہرہ 43
ہٹوں پر بکنے والا پتر 44
نفسیات مرض کانفرنس 47
صحت 48
صدر مملکت کے نام رحم کی درخواست 50

بلوچستان میں پریس اور اظہار رائے کی آزادی کو بحال کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے بلوچستان میں اظہار رائے کی آزادی پر پابندیوں اور خوف کی مستقل فضاء پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔

اپنے ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ''ایچ آر سی پی حکومت اور بلوچستان کے علیحدگی پسند گروہوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ میڈیا کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت ہو اور یہ کہ اخبارات اور صحافی کسی بھی قسم کے خطرات یا تشدد سے آزاد ہوں۔'' اس نے اپنے اس مطالبے کو بھی دہرایا کہ ''ایک آزاد پریس جمہوری نظام کے لیے انتہائی ضروری ہے اور یہ تمام نقطہ ہائے نظر، اگرچہ یہ ایک دوسرے سے متضاد ہو سکتے ہیں، کا احاطہ کرتا ہے۔''

''جنگجو تنظیموں کی دھمکیوں کے باعث بلوچستان میں تقریباً ایک ماہ سے اخبارات کی ترسیل اور تقریباً 15 پریس کلب بند ہیں۔ کچھ دن پہلے ان گروہوں نے حب پریس کلب اور تربت میں اخبارات فروخت کرنے والی ایک دکان پر دستی بموں سے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے آواران کے علاقے میں اخبارات لے جانے والی ایک وین کے ٹائر بھی پھاڑ دیے اور اخبارات جلا دیے۔ نتیجتاً، بلوچستان حکومت نے تین مقامی اخبارات روزنامہ انتخاب، بلوچستان ایکسپریس اور روزنامہ آزادی کو بند کر دیا۔''

''ایک ایسی جابرانہ فضاء میں جہاں آزادی اظہار کو پہلے ہی متعدد پابندیوں اور خطرات کا سامنا ہے، اخبارات پر موجودہ پابندی صورتحال میں مزید بگاڑ پیدا کرے گی۔

حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ اختلافی آراء کے اظہار کے لیے صحافت کی آزادی کو یقینی بنائے اور اس حوالے سے کسی قسم کا جبر نہ کیا جائے خواہ وہ مالیاتی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔ مزید برآں جنگجوؤں کی طرف سے صحافت کو دھمکیوں کا نتیجہ صرف یہ ہی نکلے گا کہ ان کا نقطہ نظر سامنے نہیں آ سکے گا''۔

''موجودہ حالات میں ایچ آر سی پی کا تمام فریقین سے مطالبہ ہے کہ وہ ایسی تمام کارروائیاں فوری طور پر ترک کر دیں جو صحافیوں، اخبارات کے ملازمین، ہاکروں اور ان کے روزگار کے لیے خطرے کا موجب ہیں۔ ایچ آر سی پی کا علاقے میں تعینات سکیورٹی فورسز سے بھی مطالبہ ہے کہ وہ اخبارات کے کاروبار سے منسلک لوگوں کو محفوظ ماحول فراہم کریں۔ اخبارات کی بندش اور ان کے ملازمین کو درپیش خطرات کا نتیجہ محض یہ ہی نکلے گا کہ صوبے میں اظہار رائے کی آزادی مزید زیر عتاب آئے گی اور سکیورٹی کی صورتحال بتدریج زوال پذیر ہوگی جس کے باعث معاشرہ مزید تقسیم کا شکار ہوگا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 20 نومبر 2017]

جنوبی وزیرستان میں طالبانائزیشن کی بحالی تشویش کا باعث ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے جنوبی وزیرستان کے علاقے وانا میں حال ہی میں پیش آنے والے ایک واقعہ پر تشویش کا اظہار کیا ہے جہاں ایک امن کمیٹی نے علاقے میں تقریباً ہر قسم کی سماجی۔ ثقافتی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اپنے خاندان کے کسی مرد کے بغیر خواتین کے گھر سے باہر نکلنے اور مقامی لوگوں کو رات دس بجے کے بعد عوامی مقامات پر جانے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ اس قسم کی اطلاعات کا ایک ایسے وقت پر منظر عام پر آنا اور زیادہ تشویش کا باعث ہے جب جنوبی وزیرستان کے علاقے لدھا کے دیہاتوں شکتوئی، سام اور بوبارہ میں ایک غیر اعلانیہ فوجی آپریشن کی خبریں بھی گردش کر رہی تھیں۔

کمیشن نے ایک بیان میں کہا: ''ایچ آر سی پی جنوبی وزیرستان میں طالبانائزیشن کی ممکنہ بحالی کے حوالے سے ہونے والی پیش رفتوں پر فکرمند ہے۔ وانا میں طالبان امن کمیٹی کی طرف سے پمفلٹس کا اجراء جس میں انہوں نے تجویز کردہ ہدایات پر عملدرآمد کرنے بصورت دیگر سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکی دی اس وجہ سے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ جنوبی وزیرستان کے بعض علاقوں میں فوجی آپریشن جاری ہے جو اب تک طالبان کمیٹی کی سرگرمیوں پر قابو پانے میں بظاہر ناکام ہے۔

باوثوق مقامی ذرائع کے مطابق، چند ہفتے قبل، وانا میں ایک نام نہاد امن کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں مقامی ملک اور عمائدین سمیت کمیٹی کے اراکین نے پابندیوں پر مشتمل ہدایات جاری کیں۔ فیصلہ کے چند دن بعد پمفلٹ تقسیم کئے گئے اور اس کے بعد آنے والے جمعہ کو وانا مرکزی جامع مسجد کے پیش امام مولانا تاج محمد نے ان ہدایات کو کسی بھی قیمت پر نافذ کرنے پر زور دیا۔ متنازعہ پمفلٹ کے مطابق، موسیقی، اتھن، (شادی کے موقع پر پیش کیا جانے والا روایتی رقص) اور منشیات کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ خواتین کو اپنے خاندان کے کسی مرد کے بغیر بازاروں اور

صحت کے مراکز پر جانے کی اجازت نہیں۔ مذکورہ امن کمیٹی نے ایک نگران کمیٹی قائم کی ہے جو نئی ہدایات کے نفاذ کو یقینی بنائے گی اور ان ہدایات کی خلاف ورزی کرنے والوں کی نشاندہی کرنے میں مدد دے گی۔

ایچ آر سی پی کو یہ جان کر شدید دکھ ہوا کہ جنوبی وزیرستان کے حکام نے اس قسم کا واقعہ رونما ہونے کی تردید کی ہے باوجود اس کے کہ پمفلٹ علاقے میں وسیع پیمانے پر تقسیم کئے گئے اور مقامی افراد واقعے کی تصدیق کر رہے ہیں۔ ریاستی غیر ریاستی عناصر سمیت کسی بھی گروہ کو فاٹا میں کسی بھی پاکستانی کے حقوق پر پابندی عائد کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

ایچ آر سی پی کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ اس بربریت پر اس کے آغاز پر ہی قابو پانے کے لیے فوری اقدامات کرے اور فاٹا کے شہریوں کو انہی حقوق اور مواقع کی دستیابی یقینی بنائی جائے جو پاکستان کے دیگر شہریوں کو حاصل ہیں۔ طالبان کو اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنانے سے سختی سے روکا جائے، بصورت دیگر خطرہ ہے کہ پورا ملک طالبانائزیشن کی لپیٹ میں آجائے گا جس کے نشانے پر اس وقت فاٹا ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 21 نومبر 2017]

کراچی سے اٹھائے گئے بلوچ طالبعلموں اور کارکنوں کو رہا کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے جبری گمشدگیوں کی حالیہ لہر کی شدید مذمت کی ہے۔ جبری گمشدگی کے ان واقعات میں کراچی میں بلوچ طالبعلموں اور کارکنوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ ایچ آر سی پی نے مطالبہ کیا ہے کہ ان طالبعلموں اور انسانی حقوق کے کارکنوں پر اگر کسی جرم کا الزام ہے تو انہیں اپنے قانونی دفاع کا حق دیا جائے یا سیکیورٹی فورسز نے انہیں اپنی تحویل میں لے رکھا ہے وہ انہیں فوری طور پر رہا کریں۔

پیر کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ''ایچ آر سی پی کو یہ جان کر شدید تشویش ہوئی ہے کہ سیکیورٹی اہلکاروں نے چند دن پہلے کراچی میں ایک گھر پر حملہ کیا اور بی ایس او (آزاد) اور بی این ایم سے تعلق رکھنے والے چار بلوچ طالب علموں کو گرفتار کیا: مسٹر ثناء اللہ، (عرف عزت بلوچ)، مسٹر حسن (عرف نودان)، مسٹر نصیر احمد (عرف چراغ) اور مسٹر رفیق بلوچ (عرف قمبر)۔ ایک اور طالب علم مسٹر صغیر احمد کو جامعہ کراچی کی کینٹین سے اٹھایا گیا تھا۔ مزید برآں ہفتے کے اختتام پر، ایک بلوچ سماجی رہنما اور انسانی حقوق کے کارکن مسٹر اکبر علی گبول کو آدھی رات کے وقت گلشن اقبال میں واقع ان کے گھر سے اٹھایا گیا۔ ایچ آر سی پی تمام پاکستانی شہریوں کی غیر قانونی گرفتاری اور حراست کی مذمت کرتا ہے مگر جب انسانی حقوق کے محافظین اور انسانی حقوق کی آگاہی پھیلانے والے طالب علموں کو بظاہر ان کے کام کی وجہ سے نشانہ بنایا جاتا ہے تو کمیشن کی تشویش میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے''۔

ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ اگر ان طالب علموں میں سے کسی پر بھی کسی قسم کا الزام ہے تو انہیں اس سے آگاہ کیا جائے اور انہیں بغیر کسی تاخیر کے عدالت میں پیش کیا جائے اور قانونی دفاع کا حق دیا جائے۔ تاہم اگر انہوں نے کوئی جرم سرزد نہیں کیا تو انہیں فوری طور پر رہا کیا جائے۔

ایچ آر سی پی حکام، خاص طور پر وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ سندھ سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ سیکیورٹی فورسز کی کارروائیوں کی موثر نگرانی کی جائے تاکہ اس امر کو یقینی بنایا جاسکے کہ وہ شہریوں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کے مرتکب نہ ہوں اور جن شہریوں کے حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی مئوثر تلافی ہوسکے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 27 نومبر 2017]

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

انسانی حقوق کا عالمی منشور

انسانی حقوق کا یہ عالمی منشور، اقوام عالم کے لئے حصول مقصد کا ایک ایسا مشترکہ معیار ہوگا جس کے تحت ہر فرد اور ہر معاشرتی ادارہ تعلیم و عمل کے ذریعے اس منشور کی روشنی کو عام کرے اور ان حقوق اور آزادیوں اور بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ آزادیوں اور ترقی پسند اقدامات کے ذریعے رکن ممالک بذات خود اور ان کے دائرہ اختیار میں آنے والے علاقوں کے لوگوں میں نہ صرف ان حقوق اور آزادیوں کو رواج دیں بلکہ ان پر عمل درآمد کروانے میں بھی اعانت کریں۔

شق۔1

تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار/حوالہ سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں فکر و شعور اور عقل ودیعت کی گئی ہے لہٰذا انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

شق۔2

ہر ایک کو اس منشور میں دیئے گئے تمام حقوق اور آزادیوں پر بلا امتیاز رنگ، نسل، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے تصورات، قومی یا سماجی حسب و نسب، جائیداد، پیدائش یا کسی اور حیثیت سے اثر انداز نہیں ہوں گے۔ مزید برآں کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے ملک یا علاقے کی سیاسی، امتیازی حد یا اس کی بین الاقوامی حیثیت کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا چاہے وہ ملک جہاں کا وہ رہنے والا ہو، زیر تولیت ہو، غیر خود مختار ہو یا خود اختیاری کی کسی اور بندش میں بندھا ہوا ہو۔

شق۔3

ہر شخص کو زندہ رہنے، اپنی شخصی آزادی اور تحفظ کا حق حاصل ہے۔

شق۔4

کسی فرد کو نہ تو غلام بنایا جائے گا نہ اس سے بیگار لی جائے گی۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت چاہے اس کی شکل کوئی بھی ہو، پر پابندی ہوگی۔

شق۔5

کسی بھی فرد کو تشدد کا نشانہ بنایا جائے نہ ہی اس کے ساتھ غیر انسانی، ہتک آمیز سلوک کیا جائے گا اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جس سے انسان کی تذلیل کا پہلو نکلتا ہو۔

شق۔6

قانون کی نظر میں ہر انسان کو ہر جگہ بطور فرد اپنی حیثیت منوانے کا حق حاصل ہے۔

شق۔7

قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور انہیں بلا تفریق کسی قسم کی اس تفریق کے خلاف مساوی تحفظ حاصل ہے جس کو اس اعلامیہ کی خلاف ورزی قرار دیا گیا ہے۔

شق۔8

آئین یا قانون کے تحت دیئے گئے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے اقدامات کے خلاف ہر شخص کو بااختیار قومی ٹربیونلوں کے پاس جانے کا حق حاصل ہے۔

شق۔9

کسی بھی شخص کو نہ تو استبدادی طور پر گرفتار کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے نظر بند یا ملک بدر کیا جائے گا۔

شق۔10

ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف عائد کردہ کسی جرم کے فیصلے کے بارے میں اس کو ایک آزاد، غیر جانب دار اور کھلی عدالت میں منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

شق۔11

(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عائد ہو، اس وقت تک بے گناہ تصور کیا جائے گا جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت، جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے تحت تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کی پاداش میں مجرم نہیں سمجھا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

شق۔12

کسی شخص کی نجی اور خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں استبدادی طور پر مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت کے خلاف قانونی تحفظ حاصل ہے۔

شق۔13

(1) ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس ریاست کا باشندہ ہے، اس کی حدود کے اندر جہاں چاہے آ جا سکتا ہے اور اسے یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اندرون ریاست جہاں چاہے سکونت اختیار کر سکتا ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک چھوڑ جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہی کیوں نہ ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آنے کا بھی حق حاصل ہے۔

شق۔14

(1) کسی بھی شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور وہاں زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں سے متصادم ہیں۔

دفعہ۔15

(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض استبدادی طور پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

شق۔16

(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو نسل، قومیت، یا مذہب کی قیود و حدود کے بغیر شادی بیاہ کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے۔ مردوں اور عورتوں کو شادی کرنے، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) شادی فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگی۔

(3) خاندان، فطری اور بنیادی معاشرتی اکائی ہے اور اس اکائی کو معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے تحفظ حاصل ہوگی۔

شق۔17

(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق

ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

شق۔18

ہر انسان کو فکر،ضمیر اور مذہب کی آزادی کا پورا حق ہے۔اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ،اس پر عمل،اوراس کی عبادات اور رسومات ادا کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

شق۔19

ہرشخص کو اپنی رائے رکھنے اوراس کے اظہار کی آزادی کا حق حاصل ہے۔اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے،ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرسکے۔

شق۔20

(1) ہرشخص کو پرامن اجتماع کرنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن کا رکن بننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ۔21

(ا) ہرشخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے گئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہرشخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا مساوی حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومتی اتھارٹی کی بنیاد ہوگی۔اس کا اظہار میعادی حقیقی انتخابات کے ذریعے کیا جائے گا جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر منعقد ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ کے ذریعے یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہء رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

شق۔22

معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہرشخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے جس کا حصول قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعے اور ہر ریاست کے ان معاشی، سماجی اور ثقافتی وسائل کی مطابقت سے ممکن ہوگا، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

شق۔23

(1) ہرشخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(2) ہرشخص کسی تفریق کے بغیر کام کی نوعیت کے مطابق معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے۔

(3) کام کرنے والا ہر شخص ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق دار ہے جو اس کے اوراس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔

(4) ہرشخص کو اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے انجمن سازی کرنے اور کسی بھی انجمن میں شامل ہونے کا حق حاصل ہے۔

شق۔24

ہرشخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے وقت کا تعین اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات بھی شامل ہیں۔

شق۔25

(1) ہرشخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق حاصل ہے اس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اوران حالات میں روزگار سے محرومی جو اس فرد کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے، خواہ وہ نکاح کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کی صورت میں، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

شق۔26

(1) ہرشخص کو تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے۔تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کو عام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنیاد پر اعلی تعلیم تک رسائی سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگی۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل نشو ونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو فروغ دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق حاصل ہوگا کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

شق۔27

(1) ہرشخص کو کمیونٹی کی ثقافتی زندگی میں بھرپور طریقے سے حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائینس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہرشخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ تخلیق کار ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

شق۔28

ہرشخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلامیہ میں شامل ہیں۔

شق۔29

(1) ہرشخص معاشرتی حقوق کا پابند ہے کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ طور پر اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے کے حوالے سے ہرشخص صرف ان حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرنے اور ان کا احترام کرنے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عوامی فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) ان حقوق اور آزادیوں پر اس طریقے سے عملدرآمد نہ کیا جائے کہ جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں سے متصادم ہو۔

شق۔30

اس اعلان کے کسی حصے سے کوئی ایسی بات اخذ نہیں کی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق ملتا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں بیان کی گئی ہیں۔

ایچ آر سی پی نے انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ملک کے بعض حصوں میں تقاریب کا اہتمام کیا

تربت انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقعے پر ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران کے زیرِ اہتمام ''اظہارِ رائے کی آزادی پر پابندیاں اور ریاست کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر ایچ آر سی پی کے اپنے دفتر واقع تربت میں ایک مباحثہ منعقد ہوا۔ جس میں خواتین وحضرات کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ جن شرکاء نے اظہارِ خیال بھی کیا ،جن میں غنی پرواز، خان محمد جان، بشیر دانش، شہناز شبیر، نذیرہ بلوچ، شکراللہ یوسف، شریف شمبئے زئی، محمد یوسف بلوچ، منور علی رِنّہ، طارق مسعود اور زاہد سلیمان شامل تھے۔ مقررین کا کہنا تھا کہ اظہار رائے کی آزادی کسی بھی جمہوری ملک میں ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ لہٰذا اس کی فراہمی اور تحفظ ضروری ہے۔ اور اس پر کسی قسم کی پابندیاں نہیں لگنی چاہئیں۔ اُن کا مزید یہ بھی کہنا تھا کہ میڈیا کو مکمل طور پر آزاد ہونا چاہیے اور حکومت ، حزب اختلاف اور ملک اور معاشرے کے تمام دوسرے گروہوں، تنظیموں، جماعتوں اور اداروں کی خبریں ، رپورٹیں، بیانات اور تحریریں کسی امتیاز کے بغیر شائع ہونی چاہئیں اور اس مقصد کے لئے سب کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا اور حکومت ،حزب اختلاف ،اور دیگر گروہوں، تنظیموں، جماعتوں اور اداروں میں سے کسی کو بھی میڈیا کی آزادی کو سلب کرنے کے بارے میں نہ تو سوچنا چاہئے اور نہ ہی عمل کرنا چاہئے، اور اس کی آزادی کو یقینی بنانے اور کسی بھی قسم کی پابندیوں سے گریز کرنے کے سلسلے میں ریاست کی ذمہ داریاں سب سے زیادہ ہوتی ہیں، جن میں سے چند خاص خاص ذمہ داریاں یہ ہوسکتی ہیں:۔

1۔ جمہوری پالیسیوں کی تشکیل، تا کہ اظہارِ رائے کی آزادی کا حق ہر فرد، گروہ، جماعت اور ادارے کو حاصل ہو، اور اس سلسلے میں کسی قسم کا امتیازی سلوک، جانبداری، اقربا پروری، سفارش اور رشوت وغیرہ کا عمل دخل نہ ہو۔

2۔ عوام کو تعلیم اور شعور کی فراہمی، تا کہ اُنہیں علم ہو کہ اظہارِ رائے کی اہمیت کیا ہے اور اس پر پابندیاں لگانے کے کیا نقصانات ہیں۔

3۔ روزگار کی فراہمی تا کہ کوئی کسی کا محتاج نہ ہو اور اظہارِ رائے کے لئے کسی سے خوفزدہ نہ ہو۔

4۔ ذرائع اور اداروں کا قیام، تا کہ لوگ اُن کی مدد سے اظہارِ خیال اور اظہارِ رائے کر سکیں۔

5۔ آئین وقوانین سازی، تا کہ تمام لوگوں کو اظہارِ رائے کی آزادی کا حق دیا جاسکے اور اس کا تحفظ بھی کیا جاسکے۔

6۔ مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی تا کہ مذہبی انتہا پسند اور فرقہ پرست طاقتیں عوام کے اظہار رائے کی آزادی کے حق اور دیگر بنیادی انسانی حقوق کو غصب نہ کرسکیں ،جن میں حقِ زندگی، حقِ مال وجائیداد، حقِ تحریر و تقریر، حقِ تعلیم ،حقِ روزگار، حقِ مذہب وعقیدہ ،حقِ نظریہ، حقِ خاندان، حقِ نقل وحمل، حقِ نمائندگی، حقِ جماعت سازی، حقِ اجلاس ، جلسہ اور مظاہرہ اور اسی نوعیت کے دوسرے حقوق شامل ہیں۔

آخر میں یہ بھی کہا گیا کہ اِس وقت بلوچستان کے بیشتر اخبارات اور پریس کلب بند ہیں، جس سے صحافیوں پر روزگار کے دروازے بھی بند ہوچکے ہیں اور وہ انتہائی سنگین حالات سے دوچار ہیں۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ آزاد اور غیر امتیازی پالیسیوں کا اعلان کرے تا کہ تمام اخبارات اور پریس کلب دوبارہ کھل جائیں اور صحافیوں کے ناگفتہ بہہ حالات پھر سے دُرست ہوسکیں۔

(غنی پرواز)

پاکستان میں اظہار رائے

حیدرآباد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی اسپیشل ٹاسک فورس حیدرآباد نیانسانی حقوق کے عالمی دن کی مناسبت سے 9 دسمبر کو پاکستان میں اظہار رائے کے موضوع پر ایک مشاورت کا اہتمام کیا جس میں انسانی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں، سیاسی مدبرین اور سماجی کارکنوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی اور اپنی آرا کا اظہار کیا۔ مقررین کا کہنا تھا کہ اظہار کی آزادی شہریوں کا بنیادی حق ہے جس پر پابندیاں نہیں لگنی چاہیں۔ روزنامہ ڈان اور کاوش کے رپورٹر سہیل سانگی نے کہا کہ انسانی حقوق کے معاملات کو اجاگر کرنے کے لیے معاشرے کی مدد ضروری ہوتی ہے اور شہریوں کو اس حوالے سے اہم کردار ادا کرنا چاہیے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ پاکستان میں انسانی حقوق کی موجودہ صورتحال کسی کارکن سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہ کہ ملک میں سیاسی طور پر سرگرم رہنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ضیاء الحق کے دور میں پاکستان میں اظہار رائے پر بہت زیادہ پابندیاں تھیں اور ہر چیز اسٹیبلشمنٹ کے کنٹرول میں تھی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں عام تھیں۔ "اب بھی یہ خیال نہ کریں کہ ہمارا میڈیا آزاد ہے۔ ریاست نے حدود طے کردی ہیں اور میڈیا اس سے منسلک افراد کو ان کا خیال رکھنا پڑے گا۔ پانامہ لیکس پر ہونیوالے والے ٹاک شوز، نشر ہونیوالی خبریں اور یکطرفہ تبصرے آزاد صحافت کی نشاندہی نہیں کررہے بلکہ اسٹیبلشمنٹ کے مفاد کی ترجمانی کررہے تھے۔ یہ انتہائی افسوسناک ہے کہ سوشل میڈیا اکاؤنٹس بھی محفوظ نہیں ہیں"، ان کا کہنا تھا۔

سہیل سانگی نے کہا کہ لوگوں کو شعور دینے میں سندھی میڈیا کا کردار قابل تعریف ہے۔ سیاسی تجزیہ نگار پروفیسر مشتاق میرانی نے کہا کہ وہ معاشرے ترقی نہیں کرسکتا جس میں اظہار رائے کی آزادی نہ ہو۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ انتھک جہد وجہد سے ہی رائے کے اظہار کی آزادی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ انسانی حقوق کے کارکن اور ایچ آر سی پی کے کونسل ممبر پروفیسر بدر سومرو نے کہا کہ انہیں یاد ہے کہ جب لوگ اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لیے وال چاکنگ کرنا چاہتے تھے تو انہیں کس قسم کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اس وقت صحافت بھی آزاد نہیں ہے بلکہ وہ بھی ریاست کے زیر کنٹرول ہے۔ فاروق سومرو، مدیر روزنامہ سندھ ایکسپریس اور عورتوں کے حقوق کی سرگرم کارکن محترمہ زاہدہ ابڑو کے علاوہ تاج مری، مہیش کمار ع پنہل ساریو، سعیدہ شاہین، عابدہ پروین، مقبول ملاح سمیت کئی شرکاء نے بھی اظہار خیال کیا۔ محترمہ پروین سومرو نے کہا کہ یہاں پر مختلف لوگوں نے رائے کے اظہار پر اپنے خیالات پیش کیے ہیں جو کہ ایک لائق تحسین کاوش ہے۔ اور اسی طرح کی تقریبات سے ملک میں بنیادی حقوق کے بارے میں آگاہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

بچوں کے حقوق کیا ہیں؟

ہر بچے کو دیگر انسانوں کی طرح ناقابل انتقال حقوق حاصل ہیں۔ پاکستان نے بچوں کے حقوق کے میثاق کی توثیق نومبر 1990 میں کی۔ اس میثاق کے تحت پاکستان پر یہ لازم ہے کہ یہ اپنے بچوں کے لیے ان حقوق کی ضمانت دے۔ اقوام متحدہ کا بچوں کے حقوق (UNCRC) سے متعلق میثاق مندرجہ ذیل بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے، جن میں سے زیادہ تر حقوق پاکستان کا آئین بھی فراہم کرتا ہے۔

زندگی کا حق	نقصان دہ پیشوں اور معاشی استحصال سے تحفظ کا حق
ممکنہ حد تک بہترین صحت اور صحت کی سہولیات کا حق	خلوت کا حق
مفت ابتدائی تعلیم کا حق	آزادی اظہار کا حق
پیدائش کے اندراج کا حق	فکر، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق
جنسی استحصال (بشمول جسم فروشی) اور جنسی زیادتی سے تحفظ کا حق	نام، قومیت اور خاندانی تعلقات اور والدین کی جانب سے نگہداشت کا حق
ایک ایسے معیار زندگی کا حق جو بچے کو ترقی کرنے میں مدد دے	ان کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے فیصلوں میں شرکت کا حق
ہر معذور بچے اور نوجوان فرد کا مکمل زندگی اور معاشرے میں بھرپور شرکت کا حق	15 برس سے کم عمر کے تمام بچوں کے لئے جنگ میں براہ راست شرکت سے روکے جانے کا حق
ایذارسانی یا کسی اور ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک یا سزا سے تحفظ کا حق	آرام کرنے، کھیلنے اور فراغت کا حق
اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھنے والے بچوں اور نوعمر افراد کو اپنی ثقافت، مذہب اور زبان سے استفادہ حاصل کرنے سے نہ روکا جائے	لوگوں سے ملنے اور اجتماعات میں شرکت کا حق
چھینے جانے، فروخت کیے جانے یا سمگل ہونے سے تحفظ فراہم کرنے کا حق	خاندان سے علیحدہ کیے جانے والے بچوں کے تحفظ اور مدد کا حق

پچھلے سال اقوام متحدہ کی بچوں کے حقوق کی کمیٹی نے بچوں کے حقوق کے میثاق پر عمل درآمد سے متعلق حکومت پاکستان کی پانچویں سلسلہ وار رپورٹ کا جائزہ لیا اور اس بات پر شدید تشویش کا اظہار کیا کہ پاکستان معاہدے کے تحت اپنی کئی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ کمیٹی نے ایسے افراد کی پھانسی جن کی عمر جرم کے ارتکاب کے وقت 18 سال سے کم تھی، بچوں کے ساتھ امتیازی سلوک، تھانوں اور جیلوں میں بچوں کے خلاف ایذارسانی کا منظم اور وسیع استعمال، بچوں کے حقوق سے متعلق زیر التوا قوانین، جسمانی سزا اور صحت اور تعلیم کے لیے کم بجٹ جیسے اہم مسائل کی نشاندہی کی۔

موجودہ قانونی ڈھانچہ

چودہ برس سے کم عمر بچے کو کسی فیکٹری یا دکان یا کسی دوسرے خطرناک پیشے میں ملازم نہیں رکھا جائے گا۔	آئین پاکستان [آرٹیکل۔11(3)]
ریاست: شادی، خاندان، ماں اور بچے کو تحفظ فراہم کرے گی۔	[آرٹیکل۔35]
ریاست اس بات کو یقینی بنانے کے لیے تمام ضروری اقدامات کرے گی۔۔۔کہ بچوں کو ان پیشوں میں ملازم نہیں رکھا جائے گا جو ان کی عمر سے مطابقت نہیں رکھتے۔	[آرٹیکل۔37(e)]

14 برس سے کم عمر کسی بھی بچے کو ماسوائے اپنے خاندان کے ہمراہ، ایک معیاری ماحول کے تحت، کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (بچوں کی ملازمت کا ایکٹ 1991۔(ای سی اے 1991)

14 برس سے کم عمر کے تمام بچوں کے لیے مندرجہ ذیل پیشوں میں کسی بھی قسم کے حالات میں کام کرنے کی ممانعت ہے۔ بیڑی بنانا، قالین بافی، سیمنٹ کی تیاری، بشمول سیمنٹ کی پیکنگ، کپڑے کی چھپائی، ماچس، دھماکہ خیز مواد اور آتش بازی کے سامان کی تیاری، ابرق کی کٹائی، صابن کی تیاری، اون کی صفائی، تعمیراتی صنعت، سلیٹ پنسلوں کی تیاری (بشمول پیکنگ)، سنگ سلیمانی سے بنی ہوئی مصنوعات کی تیاری، مصنوعات کی تیاری میں زہریلی دھاتوں اور مادوں مثال کے طور پر سیسہ، پارا، مینگنیز، کرومیم، کیڈمیم، بینزین، کیڑے مار ادویات اور اسبسٹاس کا استعمال۔ (ای سی اے 1991)

ضابطہ تعزیرات پاکستان ،جنسی تشدد، خلاف فطرت جرائم مثال کے طور پر غیر فطری جنسی اختلاط، چودہ برس سے کم عمر فرد کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے اغوا کرنے، غلامی اور جنسی اختلاط کے بدلے دی جانے والی مراعات، کم سن لڑکی کو خریدنا تاکہ اس کو زبردستی جنسی اختلاط پر مجبور کیا جاسکے، جسم فروشی کی غرض سے کم سن بچی کو خریدنے کے یا فروخت کرنے اور والدین کی جانب سے 12 سال سے کم عمر بچے کو ترک کردینے کو جرم قرار دیتا ہے۔

14 نومبر 2017ء کو شائع ہونے والے ایک قومی اخبار کے اداریے کے مطابق پاکستان کی فٹ بال کی صنعت پہلے دنیا بھر میں مشہور تھی، نائیک اور ایڈیڈاس جو فٹ بال، فٹ بال ٹورنامنٹ اور ورلڈ کپ میں بھجواتے تھے وہ پاکستان سے جاتی تھیں۔ لیکن جب سے یورپی ممالک نے چائلڈ لیبر پر پابندی لگائی ہے، نائیک اور ایڈیڈاس نے پاکستان کے ساتھ اپنے کیے ہوئے معاہدے ختم کردیے ہیں۔

بچے اور جرائم

- جرائم سے متعلقہ مقدمات میں ملوث بچوں پر مقدمات بچوں کے لئے مختص مخصوص عدالتوں میں چلائے جائیں۔
- انہیں زنجیریں یا ہتھکڑیاں نہیں لگائی جانی چاہئیں۔
- انہیں حراست کے دوران بالغ قیدیوں سے الگ رکھا جانا چاہیے۔
- ان کے مقدمات کی سماعت چار (4) ماہ میں مکمل ہوجانی چاہیے۔
- انہیں قید بامشقت یا موت کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

- ان سے حراست کے دوران مشقت نہیں لی جاسکتی۔
- ریاست کو انہیں مفت قانونی معاونت فراہم کرنی چاہئے۔
- پروبیشن افسر کو ان کے پس منظر سے متعلق رپورٹ تیار کرنی چاہئے جو جج کو پیش کی جائے۔

خاندان کے سہارے سے محروم بچے

خاندان کے سہارے سے محروم بچوں کے بارے میں تین صوبوں میں مختلف قوانین نافذ ہیں۔ ان کے تحفظ کے لیے ان قوانین کے تحت مخصوص ادارے قائم کئے جانے چاہئے۔

پنجاب کا مفلس اور نظر انداز کئے گئے بچوں کا ایکٹ Punjab Destitute and Neglected) Children Act 2004) ایک بنیادی قانون ہے جسے پنجاب میں خاندان کے سہارے سے محروم بچوں کے تحفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس قانون کے تحت خاندان کے سہارے سے محروم بچوں کی بازیابی، بحالی اور تحفظ کے لئے چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر بیورو قائم کیا گیا ہے۔

خیبر پختونخوا کا چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر ایکٹ 2010، چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر کمیشن (سی پی ڈبلیو سی) جو کہ اس قانون کے تحت تشکیل دیا گیا تھا، کے ذریعے خیبر پختونخوا میں خطرات سے دوچار بچوں کی دیکھ بھال، تحفظ، پرورش، فلاح، تربیت، تعلیم، آبادکاری کی ضمانت دیتا ہے۔

سندھ چائلڈ پروٹیکشن اتھارٹی ایکٹ 2011، سندھ چائلڈ پروٹیکشن اتھارٹی قائم کرنے کا تقاضہ کرتا ہے تاکہ ان بچوں کے حقوق کو یقینی بنایا جاسکے جنہیں خاص تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان میں قانونی لحاظ سے لڑکیوں کی شادی کے لیے کم ازکم عمر 16 برس اور لڑکوں کی 18 برس ہے۔ کم سن بچوں کی شادی کرانے میں ملوث کوئی بھی شخص جرم کا ارتکاب کر رہا ہے اور وہ قانون کے تحت لائق سزا ہے۔

(کم عمری کی شادی کی ممانعت کا ایکٹ (Restraint of Child Marriage Act 1929

کم عمری کی شادی کو فروغ دینے والے رسم ورواج مثلاً سوارا، ونی، وٹہ سٹہ خلاف قانون قرار دیئے جاچکے ہیں۔

(عورتوں کے خلاف رسوم ورواج (فوجداری قانون میں ترمیم) کا ایکٹ (Anti-women Practices (Criminal law Amendment) Act, 2011

عالمی غذائیت رپورٹ

جولائی میں جاری ہونے والی عالمی غذائیت رپورٹ 2016ء کے مطابق، پاکستان دنیا کے ان ممالک میں چوتھے نمبر ہے جہاں نشوونما کی کمی کا شکار بچوں کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ ایک بین الاقوامی خیراتی ادارے واٹر ایڈ کی جانب سے جاری ہونے والی ایک اور رپورٹ 'کمی کا شکار: بیت الخلاء اور صاف پانی کی کمی کس طرح غذائیت میں کمی کا باعث بنتی ہے' کے اندازے کے مطابق پاکستان میں 98 لاکھ بچوں کو نشوونما کی کمی کا سامنا ہے۔ یہ تعداد ملک میں بچوں کی کل آبادی کا 45 فیصد ہے۔

بچوں سے زیادتی / بچوں کے خلاف تشدد

ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ کے مطابق 2016ء کے دوران گھروں، کام کی جگہوں اور سکولوں میں بچوں کے خلاف تشدد، بلا روک ٹوک جاری رہا، جس کے باعث بچوں اور نوعمر افراد کی صحت مند نشوونما اور جسمانی اور ذہنی وقار بری طرح متاثر ہوا۔ غیر سرکاری تنظیم ساحل کی طرف سے جاری کی گئی ایک رپورٹ ''ظالمانہ اعدادوشمار'' کے مطابق 2016ء میں روزانہ کم ازکم 11 بچے جنسی زیادتی کا نشانہ بنے جبکہ تقریباً 100 کو جنسی زیادتی کے بعد قتل کردیا گیا۔ یہ تعداد 2015 کے مقابلے میں 10 فیصد زیادہ ہے۔

تعلیم

- یونیسیف کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان دنیا کے ان ممالک میں سے ایک ہے جہاں پرائمری سکولوں میں داخلے کی شرح سب سے کم ہے۔ رپورٹ کے مطابق سکول جانے کی عمر کے دس (10) میں سے تین (3) بچے سکول نہیں جاتے۔
- دنیا بھر میں سکول سے باہر 26 کروڑ تیس لاکھ بچوں، بالغوں اور نوجوانوں میں سے 9 فیصد (دو کروڑ چالیس لاکھ) بچوں کا تعلق پاکستان سے ہے۔
- 33 فیصد سرکاری سکولوں میں پینے کا پانی، جبکہ 31 فیصد میں بیت الخلاء موجود نہیں۔ 43 فیصد سکولوں میں بجلی کے کنیکشن نہیں اور 29 فیصد میں چار دیواری موجود نہیں۔

تعلیم کی کم شرح کی بنیادی وجوہات یہ ہیں:۔

- فرضی سکولوں کا پھیلاؤ
- سکولوں میں جسمانی سزا کا بکثرت استعمال
- روایتی طرز تعلیم اور اساتذہ کا حاکمانہ رویہ

صحت

اقوام متحدہ کی 2016ء میں شائع ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق 2015ء میں پاکستان میں ہر ہزار میں سے 66 بچے پیدائش کے دوران ہلاک ہوئے۔ یہ دنیا میں شیرخوار اور نومولود بچوں کی بلند ترین شرح اموات میں شامل ہے۔ ان مایوس کن اعدادوشمار نے پاکستان کو دنیا کے ان دس ممالک میں شامل کردیا ہے جہاں دنیا بھر کے 59 لاکھ بچوں میں سے ساٹھ فیصد پانچ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک ہوجاتے ہیں۔

بچوں کے لئے نگہداشت اور صحت کی ناکافی سہولیات کا نتیجہ ہے کہ ملک میں پانچ سال سے کم عمر اور شیرخوار بچوں کی بہت بڑی شرح اموات کی وجہ، ایسی بیماریاں ہیں جن پر آسانی سے قابو پایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر نمونیا، پیچش، پولیو اور خسرہ۔ پاکستان دنیا کے ان تین ممالک میں سے ایک ہے جہاں اب بھی پولیو موجود ہے۔

نوعمر بچوں کا نظام انصاف

جرائم کے مقدمات میں ملوث بچوں سے بین الاقوامی اور ملکی قوانین کے مطابق برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ زیادہ تر بچوں کو پولیس کی حراست اور جیل کے اندر تشدد اور ناروا سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کے مقدمات کی سماعت مقررہ طریقہ ہائے کار کے مطابق نہیں ہوتی۔

خاندان کے سہارے سے محروم بچے

ریاست خاندان کے سہارے سے محروم بچوں کو مناسب تحفظ فراہم نہیں کرتی اور نتیجتاً زیادہ تر بچے گلیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں جس کے باعث بے گھر بچوں کی تعداد میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔

ایسے بچوں کے لیے '' بچہ گھر'' انسانی حقوق کے بنیادی معیار پر پورا نہیں اترتا، جس کے نتیجے میں بچے مزید

استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔

پیدائش کا اندراج

پاکستان میں صرف 27 فیصد بچوں کی پیدائش کے وقت اندراج ہوتا ہے۔ باقی جن کا اندراج بروقت نہیں ہوتا یہ ان کے شناخت کے حق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ پیدائش کے اندراج کے ناقص طریقہ ہائے کار کے باعث قومی ڈیٹا بیس میں زیادہ تر بچوں کا اندراج نہیں ہے۔

کم عمری کی شادی

رسم ورواج کے باعث ہزاروں بچے کم عمری کی شادی کا شکار ہوتے ہیں۔

ہنگامی صورتحال سے دوچار بچے

قدرتی آفات پر قابو پانے کے ناقص نظام کے باعث ہزاروں بچوں کو بحرانی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے چونکہ انہیں صحت کی سہولیات میسر نہیں ہوتیں اور انہیں نارواسلوک، غذائیت کی کمی، سماجی تنہائی اور دیگر لاتعداد مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نقل مکانی کا شکار بچے

گزشتہ کچھ برسوں میں ملک کے مختلف علاقوں سے لوگوں کو اندرون ملک نقل مکانی کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسا کہ سوات، وزیرستان، کوہلو، خضدار اور ڈیرہ بگٹی سے کثیر تعداد میں لوگوں نے فوجی آپریشن کے دوران اندرون ملک نقل مکانی کی۔ نقل مکانی کے دوران بچوں کی نفسیات اور تعلیم بہت متاثر ہوتی ہے۔ ہماری حکومتوں اور والدین کو اس بات پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اس سارے عمل میں بچوں کی تعلیم کا کم سے کم حرج ہو اور اُن کی نفسیات پر کم سے کم منفی اثرات مرتب ہوں۔

معذوری کا شکار بچے

معذور بچوں کو قانون کے تحت تحفظ فراہم نہیں کیا جاتا۔ کوئی بھی قانون خصوصی طور پر محض ان کے حقوق اور ضروریات پر پورا نہیں اترتا۔

بچوں کے حقوق سے متعلق کوائف

ملک میں بچوں کے حقوق سے متعلقہ کوائف کی جمع بندی کا کوئی مناسب نظام موجود نہیں جس کے باعث شواہد پر مبنی پالیسی اور قانون سازی کا کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ (چائلڈ لیبر، بے گھر بچوں اور ایڈز کا شکار بچوں سے متعلق تازہ ترین اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں)۔

بچوں کی فلاح و بہبود کا مجموعی طور پر ناقص نظام

خیبر پختونخوا کے سوا صوبائی سطح پر بچوں کے تحفظ سے متعلق کوئی بھی پالیسی تشکیل نہیں دی گئی۔ موجودہ قوانین کا نفاذ برے طریقے سے کیا جاتا ہے اور چند اہم علاقوں میں مناسب قوانین جو کہ بچوں کے تحفظ کے ایک مضبوط نظام کے لئے ضروری ہیں، موجود نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر:۔

- جسمانی سزا سے متعلق کوئی قانون موجود نہیں جو کہ اس عمل کے مکمل خاتمے کے لیے ضروری ہے۔
- بلوچستان میں مخصوص حالات میں بچوں کے تحفظ اور فلاح سے متعلق بل کی ابھی تک منظوری نہیں دی گئی۔
- گھریلو اور زراعت سے متعلقہ کام کو ای سی اے 1991 کی بچوں کے لیے ممنوعہ پیشوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔

مندرجہ ذیل شعبوں میں ایڈووکیسی کی ضرورت ہے

- چاروں صوبوں میں بچوں کے تحفظ سے متعلق پالیسی کی تشکیل اور اس کا نفاذ، خاص طور پر وہ جن کا تعلق نوعمر بچوں کے نظام انصاف، مزدور پیشہ بچوں/ بے گھر بچوں کی ملازمت سے ہو۔
- بچوں کے حقوق کا میثاق (سی آر سی) اور دیگر بین الاقوامی ضابطوں سے مطابقت، بچوں کے تحفظ سے متعلق تمام قوانین کا جائزہ لینا اور ان میں ترمیم کرنا اور جہاں ضرورت ہو وہاں نئے قوانین متعارف کروانا۔
- بچوں کی فلاح اور ترقی کے صوبائی کمیشن کو ہر صوبے میں بااختیار بنانا۔
- بچوں کے تحفظ سے متعلق اقدامات کے لیے زیادہ بجٹ مختص کرنا۔
- ہر بچے کے لئے معیاری لازمی تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنانا۔
- بچوں کے تحفظ سے متعلق قوانین اور طریقہء کار کے حوالے سے سماجی سطح پر آ گاہی فراہم کرنا۔
- بچوں سے زیادتی کے واقعات کی روک تھام کے لیے مقامی سطح پر تحفظ کے لئے کمیٹیاں تشکیل دینا۔
- متبادل نگہداشت کے کم از کم معیار کو بہتر بنانا اور انہیں تمام پالیسیوں میں شامل کرنا۔
- بے گھر بچوں کے تحفظ کے لیے روک تھام، مداخلت اور بحالی نو کے طرائق کار متعارف کروانا۔

سفارشات

- بچوں کے حقوق سے متعلق معلومات نہ صرف نصاب کا حصہ ہوں بلکہ کہانیوں اور ڈرائنگ کی صورت میں انہیں ذہن نشین کرائی جائیں۔
- پولیو وائرس کے خاتمے اور پولیو سے پاک پاکستان کے حصول کے لیے وفاقی اور صوبائی سطح پر کوششیں تیز کی جائیں۔ تاکہ جلد از جلد تک اس مرض میں نجات پائی جاسکے۔
- تعلیمی بجٹ میں اضافہ کیا جائے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ اسکول جانے کی عمر کے تمام بچوں کو معیاری تعلیم فراہم کرنے والے رسمی اسکولوں تک رسائی ملے۔ بچوں کو اسکول جانے پر قائل کرنے کے لیے ایک سازگار ماحول بھی قائم کیا جائے۔
- بچوں کی گھریلو مشقت کو ایک خطرناک پیشہ قرار دیا جائے اور اس کی روک تھام کے لیے سخت اقدامات کیے جائیں۔ بچوں کی مشقت کے منظم خاتمے کے لیے درکار درست پالیسی سازی کے لیے ایک چائلڈ لیبر سروے کا انعقاد کیا جائے۔
- ملک بھر میں پیدائش کے مفت اندراج کے حصول کے لیے حکمت عملی اور تمام صوبوں میں لڑکیوں کی شادی کی عمر کو 18 سال تک بڑھانے کے لیے قوانین کی منظوری اور نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔
- بچوں کے نظام انصاف کے ایک ایسے ڈھانچے کی بطور قومی ترجیح منظوری دی جائے جو بچوں کے حقوق کے بین الاقوامی اصولوں پر پورا اترتا ہو تاکہ ہمارے بچوں کو نظام انصاف میں پائی جانے والی خامیوں سے تحفظ فراہم کیا جاسکے اور مقدمے کی سماعت سے پہلے بچوں کی طویل حراست اور نوعمر بچوں کے ساتھ ہونے والے برتاؤ کی روک تھام کی جاسکے۔ اس کے علاوہ ایسے قیدیوں کی پھانسی کی سزا ختم کی جائے جو جرم کے ارتکاب کے وقت کم عمر تھے۔
- خصوصی بچوں کی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے خصوصی پالیسی تشکیل دی جائے۔ اس کے علاوہ ملک میں خصوصی بچوں کی درست تعداد سے متعلق کوائف اکٹھے کیے جائیں۔

تھر کو تباہ نہ کرو

آئی۔اے۔رحمان

تھر کا علاقہ پاکستان کے قومی گلدستے کے سب سے زیادہ خوشبودار اور خوبصورت پھولوں میں سے ایک ہے جو مرجھا رہا ہے۔ یہ اس لئے مرجھا رہا ہے کیونکہ جو لوگ 'ترقی' کے جھنڈے تلے کام کر رہے ہیں وہ کسی منطق کے قائل نہیں ہیں کیونکہ اس علاقے کے لوگوں کو ان کے ہم عصروں نے تنہا چھوڑ دیا ہے۔

تھر اور ہزاروں سالوں سے وہاں رہنے والے لوگوں کے تحفظ کا مقدمہ چند سطروں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

تھر پاکستان کا واحد علاقہ ہے جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور اس کی آبادی میں کسی بھی تبدیلی کا مطلب یہ ہوگا کہ ریاست ایک اقلیتی برادری کو تحفظ دینے کے حوالے سے اپنی آئینی اور انسانی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ناکام رہی ہے۔ تھر کے موجودہ باشندے اس کے اصلی آبادکاروں کی اولادیں ہیں اور انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے مقامی لوگوں کے حقوق کے حوالے سے جاری کردہ اعلامیے کے تحت دیئے گئے حقوق حاصل کر سکیں۔ خاص طور پر ان کا زمین کی ملکیت کا حق، اپنی ثقافت، زبان، عقیدے، مذہبی یادگاروں کے تحفظ کا حق، اور ان کا روزگار، تعلیم، صحت اور سماجی تحفظ کا حق انہیں ملنا چاہیے۔

مزید یہ کہ تھر کے لوگوں کے پاس ایسی خوبیاں ہیں جن کی بنیاد پر وہ ساری پاکستانی قوم کی محبت اور تعریف کے بھی مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنے عظیم آباؤاجداد کی بقائے باہمی کی وراثت کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کئی تاریخی، مذہبی اور پرانی اہمیت والی یادگاروں کی حفاظت کی ہے جو پاکستانی ورثے کا بہت وسیع حصہ ہیں۔ جب ان کے کچھ علاقوں پر بھارتی افواج نے قبضہ کر لیا تھا تو انہوں نے پاکستان سے اپنی وفاداری پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔ یہ لوگ اپنے وسائل سے ان ہزاروں پرندوں کو دانہ کھلاتے ہیں جو اس پانی سے محروم علاقے میں رنگ بھرتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ جانوروں سے محبت کا درس بھی دیتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ یہ ملک کا واحد خطہ ہے جس میں مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے سے برابری کی بنیاد پر ملتے ہیں اور اکٹھے تہوار مناتے ہیں۔ تھر کے لوگوں نے فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے والے لوگوں پر اپنے دروازے بند کر کے اپنی مرضی سے جینے کے حق کو مضبوط کیا ہے۔

ترقی کی باتیں کرنے والے ممکنہ طور پر یہ اعلان کریں گے کہ انہیں تھر کے لوگوں کے حقوق کا علم ہے اور وہ ان کے تحفظ کیلئے سب کچھ کریں گے۔ لیکن وہ صرف ان اچھی چیزوں پر توجہ دے رہے ہیں جو وہ تھر کے لوگوں کیلئے کر رہے ہیں۔ یہ کام شاید متاثر کن بھی ہو سکتے ہیں لیکن وہ اس بات کو نظرانداز کر رہے ہیں کہ تھر کے لوگوں کو اس کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ اس مسئلے کے منصفانہ اور مساوی حل کا پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ ان مسائل پر ایک مہذب مباحثہ کرایا جائے جن کی طرف تھر کیلوگوں نے توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ آخر 'ترقیاتی' کام کروانے لوگ بھی خود کو غلطیوں سے مبرا قرار نہیں دے سکتے۔

تھر کے عوام کو جو خطرات لاحق ہیں وہ تھر کول توانائی منصوبے پر جیکٹ پر جاری کام سے منسلک ہیں۔ ملک کی سول سوسائٹی کو اس منصوبے پر شدید تحفظات ہیں اور اس کا سماعت کا حق مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ کراچی میں گزشتہ ہفتے نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس کی طرف سے منعقدہ ایک بہت مفید میٹنگ کے دوران ان میں سے چند خدشات کا اظہار کیا گیا۔ کمیشن نے ایک سال تک تھر کی صورتحال کا جائزہ لیا اور ان میڈیا رپورٹس کے بعد کراچی میں میٹنگ کرانیکا فیصلہ کیا جن میں کہا گیا تھا کہ ''علاقے میں جبری طور پر مذہب کی تبدیلی ہو رہی ہے اور انتہا پسند گروپوں کا اثر بڑھ رہا ہے''۔ اس کے علاوہ ایسی شکایات بھی موصول ہوئیں کہ ''کوئلہ نکالنے والی کمپنیاں مقامی کمیونٹی کے حقوق کی خلاف ورزی کر رہی ہیں'' جبکہ گورانو ڈیم کے خلاف مظاہرے بھی ہوئے تھے۔

انہیں بھی مباحثے کیلئے تیار ہونا چاہیے۔ اپنے نقادوں کو مافیا قرار دے کر مسترد کرنے سے وہ اپنی دلیل کی کمزوری ظاہر کر رہے ہیں۔ جن مسائل پر بات ہو رہی ہے یا تھر کے عوام کو جو خطرات لاحق ہیں وہ تھر کول توانائی منصوبے پر جیکٹ پر جاری کام سے منسلک ہیں۔ ملک کی سول سوسائٹی کو اس منصوبے پر شدید تحفظات ہیں اور اس کا سماعت کا حق مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ کراچی میں گزشتہ ہفتے نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس کی طرف سے منعقدہ ایک بہت مفید میٹنگ کے دوران ان میں سے چند خدشات کا اظہار کیا گیا۔ کمیشن نے ایک سال تک تھر کی صورتحال کا جائزہ لیا اور ان میڈیا رپورٹس کے بعد کراچی میں میٹنگ کرانیکا فیصلہ کیا جن میں کہا گیا تھا کہ ''علاقے میں جبری طور پر مذہب کی تبدیلی ہو رہی ہے اور انتہا پسند گروپوں کا اثر بڑھ رہا ہے''۔ اس کے علاوہ ایسی شکایات بھی موصول ہوئیں کہ ''کوئلہ نکالنے والی کمپنیاں مقامی کمیونٹی کے حقوق کی خلاف ورزی کر رہی ہیں'' جبکہ گورانو ڈیم کے خلاف مظاہرے بھی ہوئے تھے۔

سول سوسائٹی تھر کول پراجیکٹ کی منطق پر بحث کرنے میں دلچسپی نہیں لے رہی۔ کیونکہ کہانی کے اس حصے پر مختلف واقعات حاوی ہو چکے ہیں۔ لیکن اس نے ترقی کی اس تعریف کو ضرور چیلنج کیا ہے جو انسانی ترقی کے ضابطوں سے ہٹ رہی ہے۔ اس وقت ہم اس پراجیکٹ کے دو متوازی نتائج کے حوالے سے پریشان ہیں۔

پہلی تشویش تو یہ ہے کہ اس پراجیکٹ سے تھر کے 19000 مربع کلومیٹر علاقے میں سے 9000 مربع کلومیٹر کا علاقہ متاثر ہو رہا ہے۔ مناسب پانی کی سطح تک پہنچنے کیلئے کھربوں ٹن مٹی کھود ڈالی گئی ہے جس سے بے آب وگیاہ مٹی کی بڑی بڑی پہاڑیاں بن گئی ہیں جو علاقے کے ماحول کو متاثر کریں گی۔ کراچی کی میٹنگ میں ایڈووکیٹ رفیع عالم نے اس پراجیکٹ سے درپیش ماحولیاتی خطرات کو بخوبی واضح کیا۔ مجھے امید ہے کہ کسی نے ان کی بات کا نوٹس ضرور لیا ہوگا۔

سونو کھنگرانی جن کی اپنے لوگوں کیلئے کئی دہائیوں سے جاری جدوجہد لائق تحسین ہے، انہوں نے ان 52 دیہات کے لوگوں کی حالت پر روشنی ڈالی جو اس پراجیکٹ کی وجہ سے بے گھر ہو چکے ہیں۔ اور یہ ایک سنجیدہ انسانی بحران ہے۔

ان میں سے کچھ مسائل کو یقیناً جزوی طور پر حل کیا گیا ہے اور اس حوالے سے بھی شکایات ہیں کہ نوجوان تھری متبادل ملازمتوں کیلئے تربیتی مواقع سے فائدہ نہیں اٹھا رہے۔ لیکن یہ سب کچھ اس وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ ایک دیہی ماحول کو ملازمت کی زندگی کے ضابطے میں ڈھالنے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ اگر نوجوان تھریوں کو پہلے ہی اس سماجی تبدیلی کا حصہ بنا لیا جاتا تو شاید ان کی کارکردگی بہتر ہوتی۔

دوسرا اور زیادہ اہم مسئلہ وہ ہے جو عارف حسین نے اٹھایا۔ وہ تھر کو دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں اور اس خطے کی بہتری کیلئے چالیس سال سے کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ باقی 10000 مربع کلومیٹر کے علاقے میں رہنے والے لوگوں کیلئے کوئی کچھ نہیں سوچ رہا۔ ان لوگوں کو بھی بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔

اس علاقے میں 35 لاکھ جانور ہیں لیکن ان کیلئے زیادہ چراگاہیں دستیاب نہیں ہیں۔ مذہبی انتہا پسند عناصر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کے بدلے خوشحالی کے خواب دکھا رہے ہیں جو کہ اسلامی اصولوں کے منافی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ تھر میں اجنبی لوگوں کی بڑی تعداد میں آمد کا مقامی ثقافت، زبان، فنون اور دستکاریوں پر کیا اثر پڑے گا۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید مقامی لوگ اپنی شناخت کھو بیٹھیں۔

اس سب کچھ سے بچا جا سکتا تھا۔ اس صورتحال کو اب بھی بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اگر حکام سول سوسائٹی کے نمائندوں کے ساتھ بیٹھیں اور تھر کو بچانے کیلئے ایک منصوبے پر کام کریں تو آپ کو اس علاقے سے بجلی اور آمدنی مل سکتی ہے۔ یہ کام ناممکن نہیں ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

☆☆☆

خودساختہ تباہی

آئی۔اے۔رحمان

جیسا کہ برساتی بادلوں کی طرف سے ریلیف ملنے کا عمل سست رفتاری کا شکار ہے، سے ملک کے زیادہ تر حصوں میں لوگوں کی بڑی تعداد دھند اور سموگ کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہے۔ یہ بات اب بھی مشکوک ہے کہ کیا وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے اس عمل کی تمام وجوہات اور نتائج وعواقب کو پوری طرح سمجھا ہے یا نہیں کیونکہ اس کیلئے صرف فطرت کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔

اگرچہ سموگ نے عوام کے بڑے حصے کی صحت کو نقصان پہنچایا ہے تاہم وہ لوگ جنہیں ماحولیاتی خطرات سے قطع نظر کھلے آسمان تلے کام کرنا پڑتا ہے وہ سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اس دوران لوگوں کی نقل وحرکت میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں نے معیشت کو بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ لاہور، فیصل آباد اور ملتان ائرپورٹس سے پروازیں منسوخ ہونے اور قومی اور عالمی ائیرلائنز کی پروازوں میں تاخیر کے علاوہ ٹرینوں اور سڑکوں کے سفر میں تاخیر کے منفی اثرات کی وجہ سے وقت کا بے انتہا ضیاع ہوا ہے۔ لوڈ شیڈنگ میں اضافے کی وجہ سے سینکڑوں فیکٹریاں بند ہوگئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ معیشت کو اربوں روپے کا نقصان پہنچا ہو۔

اس ماحولیاتی تنزلی پر حکام کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ انہوں نے ہمسائیہ ملک پر الزام لگا دیا کہ انہوں نے ہماری فضا میں دھواں بھرا ہے جبکہ اسلام آباد سے لاہور براستہ موٹروے جانے والا کوئی بھی شخص دیکھ سکتا تھا کہ جگہ جگہ فصلوں کے کچرے کو آگے لگائی جا رہی ہے۔ حسب معمول، ایک سنگین مسئلے میں ہمیں اپنا حصہ دیر سے نظر آیا۔

جیسا کہ اس اخبار میں پہلے ہی یہ خبریں شائع ہو چکی ہیں کہ پاکستان میں فضائی آلودگی خاص طور پر لاہور میں آلودگی کئی برسوں سے جاری ہے۔ ہر موسم سرما میں شام کے وقت لاہور میں آلودہ ذرات فضا میں معلق نظر آتے ہیں۔ پنجاب کے ماحولیاتی تحفظ کے محکمے کا کام بھی صرف اتنا ہے کہ وہ فضائی آلودگی کا صرف جائزہ لے رہا ہے۔ جبکہ اس کی غیر سنجیدگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آلودگی کی مانیٹرنگ کیلئے آنے والا زیادہ تر ساز وسامان ابھی تک کھولا ہی نہیں گیا ہے۔ بعد میں ای پی ڈی نے پنجاب حکومت کو بجا طور پر یہ کریڈٹ دیا کہ اس نے گاڑیوں اور فیکٹریوں سے زہریلے دھوئیں کے اخراج کو کم کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

جب آٹھ نومبر کو لاہور کی فضا میں ذرات کی مقدار 88 تک جا پہنچی جبکہ اصل میں یہ مقدار 35 تا 40 سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے تو اس بات کی ضرورت تھی کہ ایمرجنسی نافذ کی جاتی یعنی سکول بند کئے جاتے، وغیرہ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ 12 نومبر کو صورتحال اور بھی بے قابو ہوگئی۔

تاہم مذکورہ بالا فیکٹریوں کے علاوہ اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ماحولیاتی تنزلی کی وجوہات میں جنگلات کی کٹائی اور زراعت سے غفلت برتنا بھی شامل ہیں۔

پاکستان کو اپنے جنگلات کا رقبہ بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ماحول میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کا اخراج روک سکے جو کہ ہر وقت فضا میں چھوڑے جانے والے آلودہ اجزا کے اثرات کو کم کردیتے ہیں۔ لیکن جنگلات کے حوالے سے کیا کیا جا رہا ہے اس کا

ریاست کی طرف سے جنگلات کے حوالے سے غفلت برتنے کی بہت پرانی تاریخ ہے۔ تقریباً دس برس پہلے، پلاننگ کمیشن نے جنگلات میں اضافے کیلئے 13 ارب روپے کی لاگت والا منصوبہ تیار کیا۔ ایگزیکٹو کمیٹی آف نیشنل اکنامک کونسل نے اس منصوبے کی منظوری بھی دے دی اور اسے رسمی طور پر شروع بھی کر دیا گیا۔ لیکن پھر کسی وجہ سے حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی اس پروگرام کو بھی ختم کر دیا گیا۔ حکومت کیلئے یہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے کاٹھ کباڑ سے یہ پرانی فائلیں نکالے اور اوپر بیان کردہ منصوبے کو جتنا جلد ممکن ہو دوبارہ شروع کرے۔

ایک مظاہرہ ان تصویروں سے سامنے آیا ہے جن میں گلگت بلتستان میں لکڑی کی بھاری مقدار دریا میں تیرتی نظر آ رہی ہے۔ حال ہی میں کرائے گئے معاشی سروے میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے 2016-17 کے دوران خیبر پختونخوا میں لکڑی کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے جبکہ اس بات کو تسلیم نہیں کیا گیا کہ درختوں کی اس بلا امتیاز، غیر قانونی کٹائی کی وجہ سے ماحول کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ حکام اس بات کو نہیں بھول سکتے کہ شہروں میں سڑکیں کھلی کرنے، موٹرویز کی تعمیر یا لاہور کی اورنج لائن جیسے شاندار منصوبوں کیلئے کاٹا گیا ہر درخت نا صرف ماحول کو تباہ کرتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے ماحولیاتی تبدیلی کے چیلنجز سے نمٹنے کی ملکی صلاحیت بھی متاثر ہوتی ہے۔

ریاست کی طرف سے جنگلات کے حوالے سے غفلت برتنے کی بہت پرانی تاریخ ہے۔ تقریباً دس برس پہلے، پلاننگ کمیشن نے جنگلات میں اضافے کیلئے 13 ارب روپے کی لاگت والا منصوبہ تیار کیا۔ ایگزیکٹو کمیٹی آف نیشنل اکنامک کونسل نے اس منصوبے کی منظوری بھی دے دی اور اسے رسمی طور پر شروع بھی کر دیا گیا۔ لیکن پھر کسی وجہ سے حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی اس پروگرام کو بھی ختم کر دیا گیا۔ حکومت کیلئے یہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے کاٹھ کباڑ سے یہ پرانی فائلیں نکالے اور اوپر بیان کردہ منصوبے کو جتنا جلد ممکن ہو دوبارہ شروع کرے۔

زراعت کو نظرانداز کرنے کے نتیجے میں ماحول کو پہنچنے والے نقصان سے ابھی انکار ممکن نہیں ہے اگرچہ زراعت اب بھی جی ڈی پی میں 19.5 فیصد حصہ ڈالتی ہے اور 42.3 فیصد لوگوں کو روزگار دیتی ہے۔ معاشی سروے کے مطابق، اگرچہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ 2016-17 میں زیادہ پیداوار کی وجہ سے زراعت میں بہتری آئی ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ زراعت کا 53.8 فیصد حصہ مویشیوں سے آتا ہے اور مویشیوں کا جی ڈی پی میں حصہ 11 فیصد ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ زرعی پیداوار کی سطح بہت کم ہے۔

قابل کاشت بیکار زمین پر کاشتکاری سے اور صحراؤں کو چراگاہوں میں بدلنے سے پاکستان کی صحت مند ماحول برقرار رکھنے کی صلاحیت میں زبردست اضافہ ہوگا اور وہ اس قابل ہوجائے گا کہ ماحولیاتی تبدیلی کے سنگین چیلنج کا مقابلہ کر سکے۔

زرعی شعبے سے بہتر نتائج کے حصول کیلئے ایک دہائی پہلے ایک بہتر منصوبہ شروع کیا گیا تھا جسے بایوسلین ایگریکلچر کہتے ہیں اور جس میں کھارے پانی والے علاقوں میں مخصوص فصلیں اگائی جاتی ہیں اور اس منصوبے کو عالمی سطح پر بھی توجہ ملی تھی۔ چند ممالک اس میدان میں پاکستان کی برتری مانتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک پائلٹ پراجیکٹ بھی شروع کیا گیا تھا لیکن اسے بھی حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی داخل دفتر کر دیا گیا۔ ایگریکلچر ریسرچ کونسل کے سابق سربراہ اور اٹامک انرجی کمیشن اور پلاننگ کمیشن کے سابق رکن ڈاکٹر کوثر ملک جو اس شعبے میں سند ہیں ان کے مطابق اس منصوبے کے شروع میں تمام صوبوں کے اندر بنجر زمینوں کو چراگاہوں میں تبدیل کرنے کیلئے امکانات پر غور کیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے، پاکستان میں ایک کے بعد ایک حکومت زراعت کو فروغ دینے اور جدید خطوط پر استوار کرنے کی ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ہمیں اس شعبے میں ایک بڑی مثبت تبدیلی کی ضرورت ہے اور یہ کام ہم زمینی اصلاحات اور زرعی ترقیاتی حکمت عملیوں کے ذریعے انجام دے سکتے ہیں۔ یہ ملک کے 58 فیصد عوام کو تحفظ دینے کیلئے ضروری ہے جو 2011 کے سروے کے مطابق خوراک کی کمی کے خطرے سے دوچار ہیں اور یہ تعداد شاید اب بڑھ چکی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دھند اور سموگ کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کو کم کیا جائے گا تاکہ ماحولیاتی تبدیلے کے خطرے سے نمٹا جا سکے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام برائیوں کی جڑ یعنی غربت کا مقابلہ کیا جا سکے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

عورتیں

بہن کی جان لے لی

ٹوبہ ٹیک سنگھ نواحی گاوں 319 گ ب میں ایک خاتون نے گھریلو چپقلش پر طیش میں آ کر اپنی سگی بہن کو کا فائرنگ کے قتل کر دیا اور فرار ہو گیا۔ پولیس نے نعش پوسٹ مارٹم کیلئے ہسپتال منتقل کر دی ہے پولیس کا کہنا ہے کہ تفتیش کی جا رہی ہے۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ بھائی نے بہن کو غیرت کے نام پر قتل کیا ہے لیکن پولیس کا کہنا ہے کہ قتل غیرت کے نام پر نہیں بلکہ گھریلو رنجش کی بنا پر کیا گیا۔ واقعے کی تفتیش کی جا رہی ہے۔ (اعجاز اقبال)

لڑکی کو ہراساں کرنے پر مقدمے کا اندراج

کراچی کراچی کے علاقے ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی (ڈی ایچ اے) میں واقع ایک ہوٹل میں لڑکی کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے الزام میں پانچ افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔ سینیئر سپرنٹینڈنٹ آف پولیس (ایس ایس پی) کراچی (جنوبی) جاوید اکبر ریاض کا کہنا تھا کہ سانحہ 29 اکتوبر کو فور اسٹار ہوٹل میں پیش آیا جہاں لڑکی اپنے دوستوں کے ہمراہ گئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ لڑکی کو مبینہ طور پر پانچ افراد کی جانب سے جنسی ہراساں کرنے کی کوشش کی گئی اور پانچوں افراد نے لڑکی کے کپڑے پھاڑنے کی بھی کوشش کی۔ پولیس حکام کا کہنا تھا کہ متاثرہ لڑکی نے متعلقہ تھانے میں اپنی شکایت درج کرائی۔ انہوں نے بتایا کہ مبینہ ملزمان پر پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 354 (جس میں عورت کے خلاف نفرت کے ارادے سے ہراساں کرنے)، 504 (کسی کی تذلیل کرنا) 506 (جرم کی دھمکی دینا) 337 (اے) (کسی بھی شخص کو تکلیف پہنچانا) اور 34 (جرم میں یکجا ذمہ دار ہونا) کے تحت مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ ایس ایس پی (ضلع جنوبی) نے مزید بتایا کہ ہوٹل سے سی سی ٹی وی فوٹیج حاصل کر لی گئی ہیں اور معاملے کی تحقیقات کی جا رہی ہیں۔

(نامہ نگار)

لڑکی کو سرِ عام برہنہ کرنے کے الزام میں گرفتار ملزمان عدالت میں پیش

ڈیرہ اسماعیل خان ڈیرہ اسماعیل خان میں نوجوان لڑکی کو زبردستی برہنہ گلیوں میں گھمانے کے الزام میں گرفتار آٹھ ملزمان کو عدالت میں پیش کیا گیا جبکہ ایک مفرور ملزم کی گرفتاری کے لیے پولیس کے چھاپے جاری ہیں۔ تھانہ چودھوان کے پولیس انسپکٹر بشارت خان نے بتایا کہ آٹھوں ملزمان کو جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں انھیں دو روزہ ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ خیال رہے کہ ان ملزمان کو چار روز پہلے گرفتار کیا گیا تھا۔ بشارت خان نے بتایا کہ اس واقعے کا اہم ملزم سجاول تا حال مفرور ہے اور پولیس اسے گرفتار کرنے کی کوششیں کر رہی ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ یہ واقعہ 27 اکتوبر کو پیش آیا تھا۔ متاثرہ لڑکی نے بتایا کہ اس کے کپڑے قینچی سے کاٹے گئے اور پھر اسے گلی میں چلنے کا کہا گیا جب وہ ایک گھر میں داخل ہوئی تو اسے وہاں سے باہر نکال کر لایا گیا۔ متاثرہ لڑکی نے بتایا کہ ہم تالاب سے پانی بھر کر گھر لا رہے تھے، 'میرے ساتھ میری دو لڑکیاں (کزنز) بھی تھیں، ہمارے سامنے دس افراد کھڑے تھے، انھوں نے مجھے دھکا دیا جس کے نتیجے میں میں گر گئی۔' لڑکی نے بتایا کہ انھوں نے اس کے کپڑے قینچی سے کاٹ ڈالے اور جب اس کی کزن نے اسے دوپٹہ دیا تو ملزمان نے اسے (دوپٹے کو) اٹھا کر پھینک دیا۔ انھوں نے مزید بتایا 'میں ایک مکان میں داخل ہوئی اور چارپائی کو پکڑا تو مجھے کھینچ کر باہر لے آئے۔ ایک شخص نے مجھے بچانا چاہا تو اسے بھی دھکا دیا اور پھر مجھے ساتھ لے گئے اور بعد میں مجھے دیہات سے دور چھوڑ کر چلے گئے۔' متاثرہ لڑکی کی والدہ نے صحافیوں کو بتایا کہ وہ اپنی بیٹی کو ڈھونڈتی ہوئی گاؤں کی گلی میں آئیں تو وہاں دیوار پر مسلح افراد موجود تھے۔ 'میں نے اپنی بچی کا پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اپنے بیٹے کو بھیجو۔' ان کا کہنا تھا کہ اس وقت پولیس بھی ان کی کوئی شکایت نہیں سن رہی تھی بلکہ ملزمان کا ساتھ دے رہی تھی۔ ایک پولیس اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ لڑکی کو مکمل برہنہ نہیں کیا گیا تھا بس بازو کے قریب سے قمیض پھاڑی گئی تھی۔ چودھوان سے آزاد ذرائع نے بتایا کہ ملزمان نے لڑکی کو مکمل برہنہ کیا تھا اور انھیں گاؤں کی گلیوں میں چلنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جب معاملہ میڈیا پر آیا تو ملزمان نے علاقے کے با اثر افراد سے رابطے بھی کیے تا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو سکے۔ متاثرہ لڑکی کے بھائی پر یہ الزام تھا کہ اس نے تین سال پہلے ملزمان میں سے کسی ایک کی بیٹی کو موبائل فون دیا تھا جس پر وہ دونوں باتیں کرتے تھے۔ جب سب کو اس بارے میں پتہ چلا تو مقامی سطح پر پنچایت نے لڑکی کے بھائی کو کہا کہ وہ ملزمان کو تین لاکھ روپے جرمانہ ادا کرے۔ لڑکی کے بھائی نے تین لاکھ جرمانہ دیا اور فریقین کی صلح ہو گئی۔ مقامی افراد کا کہنا ہے کہ ملزمان نے یہ بات دل میں رکھی اور اسے بھلایا نہیں بلکہ وہ لڑکے کو مزید سزا دینا چاہتے تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس فدا حسین نے ایک اخباری کانفرنس میں بتایا کہ چودھوان کا واقعہ انسانیت سوز واقعہ ہے، پولیس نے فوری کارروائی کرتے ہوئے آٹھ ملزمان کو گرفتار کیا ہے جبکہ ایک مفرور ملزم کی گرفتاری کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ (بشکریہ بی بی سی اردو)

حرا اکبر چلڈرن امن ایوارڈ کے لیے نامزد

سوات پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع سوات سے تعلق رکھنے والی جماعت ہفتم کی چودہ سالہ طالبہ حرا اکبر کو چلڈرن امن ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ حرا اکبر اپنے علاقے میں بچوں پر سکولوں میں ہونے تشدد کے خلاف کام کر رہی ہے اور اسی بنیاد پر انہیں اس ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ حرا اکبر نے بی بی سی کو بتایا کہ وہ چائلڈ رائٹس کمیٹی کے چائلڈ پارلیمنٹ کی سپیکر بھی ہیں جس میں وہ بچوں کے حقوق کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں اور ان پر کام کرنے کے لیے اقدامات اٹھاتے ہیں تا کہ بچوں کو بہتر سے بہتر سہولیات میسر ہوں اور وہ بہتر تعلیم حاصل کریں۔ ان کے مطابق پاکستان میں زیادہ تر والدین بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ سے چائلڈ لیبر جیسا مسئلہ سنگین صورتحال اختیار کرتا جا رہا ہے۔ حرا اکبر کہتی ہیں کہ ان کو اپنی مہم کے دوران کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے تاہم لوگوں کی اکثریت ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور وہ بھی ان کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بچوں پر تشدد کا رجحان سرکاری سکولوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسمانی تشدد کی وجہ سے بیشتر بچے تعلیم ادھوری چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ اگر ان کو ایوارڈ نہیں ملتا تو کیا وہ اپنی مہم جاری رکھیں گی؟ ان کا کہنا تھا کہ ایوارڈ ان کا مقصد نہیں ہے وہ یہ شعوری مہم معاشرے میں بچوں کو ان کے حقوق دلانے کے لیے کر رہی ہے۔ ایوارڈ کی نامزدگی اس بات کا اعتراف ہے کہ مجھے کامیابی ملی ہے۔ حرا کے والد محمد اکبر نے بتایا کہ یہ حقیقت ہے کہ 'سوات میں حالات اگر چہ اب پر امن ہیں لیکن اب بھی بعض اوقات ایسی کئی مشکلات سامنے آجاتی ہیں جس سے حوصلہ شکنی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ہمارا عزم غیر متزلزل ہے۔ اگر چہ ہمارے معاشرے میں ایسے کاموں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا لیکن میں اپنی بیٹی کی پوری طرح حمایت کر رہا ہوں اور انشااللہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گی۔' حرا کی والدہ کلثوم اکبر ایک سرکاری کالج میں لیکچرر ہیں، انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ وہ اس بات پر بہت خوش ہیں کہ ان کی بچی کو اس ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ہمیشہ سے ان کے ساتھ ہیں۔ حرا کی نامزدگی پر سوات کی بچیاں خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ سیدو شریف سے تعلق رکھنے والی جماعت ہشتم کی طالبہ حنا نے بتایا کہ 'ہم بہت خوش ہیں کہ ہیرا نامزد ہوئی ہیں اور ہم سوات کی تمام بچیاں ہیرا اکبر کے ساتھ ان کے اس مہم میں شریک ہیں کیونکہ بچوں کے حقوق کے لیے ان کی خدمات نمایاں ہیں جس کو معاشرے کے لوگ سراہتے ہیں۔ (نامہ گار)

خواتین کو ووٹ کا حق دیں

ارشد وحید چوہدری

ملک میں ہر گزرتے دن کے ساتھ عام انتخابات کا بروقت انعقاد مشکوک ہوتا جا رہا ہے، جمہوری حکومت کی راہ میں اپنے لوگوں کے ذریعے روڑے اٹکانے سے لے کر آئے روز کے نت نئے تماشوں کی وجہ سے بے یقینی کی صورتحال بڑھتی جا رہی ہے۔ الیکشن کمیشن عام انتخابات کے بروقت انعقاد کو یقینی بنانے کیلئے اگست سے دہائیاں دے رہا ہے لیکن نئی حلقہ بندیوں کے حوالے سے آئینی ترمیمی بل تا حال ایوان بالا سے منظور نہیں کرایا جا سکا جس کی وجہ سے صدارتی نظام سے قومی حکومت کے قیام تک چہ مگوئیوں میں شدت آتی جا رہی ہے۔ عام انتخابات سے متعلق کچھ مسائل تو حالات کے جبر اور اداروں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کیلئے جاری کھینچا تانی کا نتیجہ ہیں لیکن ان گنت چیلنجز ایسے بھی ہیں جو اپنی ذمہ داریوں کو بروقت ادا نہ کرنے، عدم توجہی، لاپروائی اور ناقص منصوبہ بندی کے باعث حکومت کے خود پیدا کردہ ہیں۔ اصولی طور پر تو عام انتخابات 2018 کی ناگزیر ضروریات کے تحت نئی مردم شماری کے مطابق انتخابی حلقوں کی حد بندیاں اور ووٹر لسٹوں کی تیاری جیسے امور حتمی مراحل میں داخل ہو جانے چاہئیں تھے لیکن زمینی حقائق کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہو سکا۔ الیکشن کمیشن کی طرف سے سات دسمبر کو ووٹر ڈے منانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں اور اسی ضمن میں ووٹر بننے کی اہل خواتین کی بطور ووٹر رجسٹریشن کیلئے آج سے خصوصی مہم کا آغاز بھی کیا جا رہا ہے۔ انتخابی اصلاحات پر مبنی الیکشن ایکٹ 2017 میں بھی یہ طے کیا گیا ہے کہ الیکشن کمیشن انتخابی عمل میں خواتین کی شرکت کو یقینی بنانے کیلئے خصوصی اقدامات کرے گا تاکہ پولنگ ڈے پر خواتین کے ووٹ ڈالنے کی شرح کو بڑھایا جا سکے۔ نئی قانون سازی میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی حلقے میں مرد اور خواتین ووٹرز کے درمیان تناسب 10 فیصد سے زیادہ ہو تو اس کو کم کرنے کیلئے ہنگامی اقدامات کئے جائیں گے۔ عام انتخابات میں خواتین کی شمولیت کو بڑھانے کیلئے سیاسی جماعتوں پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ جنرل نشستوں پہ 5 فیصد ٹکٹ خواتین کو دیں گی۔ حالیہ مردم شماری کے مطابق ملک میں مردوں کی مجموعی تعداد **10** کروڑ **64** لاکھ **49** ہزار **3** سو **22** جبکہ خواتین کی تعداد **10** کروڑ **13** لاکھ **14** ہزار **7** سو **80** ہے۔ یوں مرد مجموعی آبادی کا اکیاون فیصد جبکہ خواتین اڑتالیس اعشاریہ چھہتر فیصد ہیں۔ آج کے پوائنٹ آف آرڈر میں عام انتخابات سے متعلق اس انتہائی اہم معاملے کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے جس کی نشان دہی غیر سرکاری تنظیم فافن نے اپنی حالیہ رپورٹ میں کی ہے۔ تنظیم نے الیکشن کمیشن کی طرف سے اکتوبر میں جاری کئے گئے اعداد و شمار کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ انتخابی فہرست میں بطور ووٹر رجسٹرڈ خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں تقریباً ایک کروڑ **22** لاکھ کم ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں اکتوبر تک مجموعی طور پر **9** کروڑ **70** لاکھ **22** ہزار **5** سو **91** شہری بطور ووٹر رجسٹرڈ ہوئے، جن میں **5** کروڑ **45** لاکھ **98** ہزار ایک سو **73** مرد جبکہ **4** کروڑ **24** لاکھ **24** ہزار **4** سو **18** خواتین شامل ہیں۔ ان رجسٹرڈ ووٹروں میں خیبر پختونخوا میں تعداد **1** کروڑ **40** لاکھ **16** ہزار **5** سو **71** ہے جن میں **80** لاکھ **7** ہزار **2** سو **62** مرد اور **60** لاکھ **9** ہزار **3** سو **9** خواتین شامل ہیں۔ اس طرح مرد رجسٹرڈ ووٹرز کے مقابلے میں خیبر پختونخوا میں رجسٹرڈ خواتین ووٹرز کی تعداد 14 فیصد کم ہے۔ فاٹا میں رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 21 لاکھ 42 ہزار 5 سو 52 ہے، جن میں 13 لاکھ 32 ہزار 9 سو 21 مرد اور 8 لاکھ 9 ہزار 6 سو 31 خواتین ہیں۔ اس طرح رجسٹرڈ مرد ووٹرز کے مقابلے میں رجسٹرڈ خواتین ووٹرز کی تعداد 8 فیصد کم ہے۔ وفاقی دارالحکومت میں کل رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 6 لاکھ 95 ہزار 202 ہے، جن میں 3 لاکھ 73 ہزار 8 سو 24 مرد اور 3 لاکھ 21 ہزار 3 سو 78 خواتین شامل ہیں۔ پنجاب میں کل رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 5 کروڑ 58 لاکھ 21 ہزار 5 سو 22 ہے جن میں 3 کروڑ 13 لاکھ 2 ہزار 1 سو 84 مرد اور 2 کروڑ 45 لاکھ 19 ہزار 3 سو 38 خواتین شامل ہیں۔ اس طرح رجسٹرڈ مرد اور خواتین ووٹرز کے درمیان فرق کی شرح 12 فیصد ہے۔

سندھ میں رجسٹرڈ ووٹرز کی مجموعی تعداد 2 کروڑ 64 لاکھ 43 ہزار 4 ہے جن میں 1 کروڑ 14 لاکھ 44 ہزار 8 سو 84 مرد اور 91 لاکھ 99 ہزار 4 سو 20 خواتین ہیں۔ یوں سندھ میں رجسٹرڈ خواتین ووٹرز کی تعداد مرد ووٹرز کے مقابلے میں 10 فیصد کم ہے۔ بلوچستان میں مجموعی رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 37 لاکھ 2 ہزار 4 سو 40 ہے، جن میں 21 لاکھ 37 ہزار 98 مرد اور 15 لاکھ 65 ہزار 3 سو 42 خواتین ہیں۔ اس تناسب سے مرد رجسٹرڈ ووٹرز کے مقابلے میں بلوچستان میں رجسٹرڈ خواتین ووٹرز کی تعداد 16 فیصد کم ہے، اگر ایک نظر ماضی پر ڈالی جائے تو عام انتخابات 2013 کی انتخابی فہرستوں میں بھی رجسٹرڈ مرد ووٹروں کے مقابلے میں خواتین ووٹرز کی تعداد تقریباً سوا کروڑ کم تھی جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رجسٹرڈ مرد ووٹرز کے مقابلے میں خواتین رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد بڑھنے کی بجائے کم ہوئی ہے، حالانکہ حالیہ مردم شماری کے نتائج کے مطابق ملکی آبادی میں مردوں اور خواتین کی آبادی کے تناسب میں صرف ڈھائی فیصد تک فرق ہے۔ مرد اور خواتین رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد میں فرق کی بنیادی وجہ خواتین کے پاس کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈز کا نہ ہونا ہے اور یہ امر نادرا کی کارکردگی پر بڑا سوالیہ نشان ہے۔ مزید جائزہ لیں تو شناختی کارڈ نہ ہونے کی وجوہات جن میں خواتین کی اکثریت کا دیہی علاقوں سے تعلق، سیلاب، زلزلہ جیسی قدرتی آفات اور ملک کے بعض علاقوں میں سیکورٹی آپریشنز، بدامنی کے باعث نقل مکانی وغیرہ سامنے آتی ہیں، سماجی اور معاشی ڈھانچہ جس میں غربت، جہالت اور توہمات بھی دیہی خواتین کو شناخت کے حق سے محروم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ الیکشن کمیشن، نادرا کے اشتراک سے آج جس مہم کا آغاز کرنے جا رہا ہے اس کے دوران خواتین کے شناختی کارڈ بلا معاوضہ بنائے جائیں گے، جمعہ کا دن صرف خواتین کے شناختی کارڈ بنانے کیلئے مخصوص ہوگا جس کا شناختی کارڈ بنے گا وہ ایک خودکار نظام کے تحت ووٹر بھی بن جائیگا، اس مہم کی کامیابی کیلئے حکومت، متعلقہ اداروں، سیاسی جماعتوں، ذرائع ابلاغ اور سول سوسائٹی کو بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔ اس ضمن میں وفاقی اور صوبائی حکومتیں الیکشن کمیشن اور نادرا کو درکار وسائل کی فراہمی ممکن بنائیں۔

اس وقت نادرا کے پاس ملک بھر کیلئے صرف ایک سو پانچ سے ایک سو دس تک موبائل رجسٹریشن وینز اور تقریباً پانچ سو رجسٹریشن کاؤنٹرز ہیں۔ ایک موبائل رجسٹریشن وین دن میں معمول کے دفتری اوقات میں زیادہ سے زیادہ پچاس کارڈ بنا سکتی ہے جبکہ ایک رجسٹریشن کاؤنٹر دن میں زیادہ سے زیاہ سوا سو کارڈ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر اگلے پانچ ماہ یہ مہم اسی رفتار اور موجودہ وسائل کے مطابق چلائی جائے تو بمشکل تیس سے چالیس لاکھ نئے شناختی کارڈ بنیں گے جبکہ اسی سے نوے لاکھ خواتین اور اس عرصے کے دوران ووٹر بننے کی عمر تک پہنچنے والے دیگر لاکھوں افراد پھر بھی ووٹر لسٹوں کا حصہ بننے سے محروم رہ جائیں گے جو ان کے بنیادی حق کی سنگین خلاف ورزی ہوگی۔ حکومت اس مسئلے کو ہنگامی بنیادوں پر حل کرنے لئے تمام دستیاب وسائل فراہم کرے، نادرا موبائل رجسٹریشن وینز اور رجسٹریشن کاؤنٹرز کی تعداد کو دگنا کرے۔ نادرا دفاتر میں ہفتہ میں دو تعطیل کی بجائے صرف ایک کی جائے۔ رات تک اوقات کار بڑھانے کیلئے نادرا اسٹاف کی دو شفٹیں بھی بنائی جا سکتی ہیں۔ اعلان کے مطابق سادہ شناختی کارڈ مفت بنانے کے وعدے پر سختی سے عمل کیا جائے۔ عوام خصوصاً خواتین میں شناختی کارڈ کی اہمیت اور افادیت کا شعور اجاگر کرنے کیلئے خصوصی تشہیری مہم چلائی جائے۔ سرکاری اور نجی ذرائع ابلاغ رضاکارانہ طور پر پبلک میسیجز شائع اور نشر کریں۔ حکومت متعلقہ ادارے اور سیاسی جماعتیں یاد رکھیں اگر سنجیدگی سے یہ اقدامات نہ کئے گئے تو اس مرتبہ بھی ملکی آبادی کا تقریباً نصف حصہ اپنے آئینی اور بنیادی انسانی حق سے محروم رہ جائے گا۔ (بشکریہ جنگ)

ایک افسانوی خاتون سے ملاقات

نسیم احمد باوجود

اس کالم نگار کی مسلسل کوشش ہوتی ہے کہ وہ (اپنی خواہش پر غالب آ کر) لندن میں شام کو ہونے والی ان گنت سماجی تقریبات میں شریک نہ ہو۔ وجوہات ایک سے زیادہ ہیں۔ ایک وکیل شام کو مقدمہ کی تیاری نہ کرے تو اگلے دن عدالت میں اُس کی کارکردگی بُری طرح متاثر ہوگی۔ گھر سے باہر شام کا وقت گزارنے کا مطلب ہے' وقت کا ضیاع۔ لکھنے پڑھنے کے کام میں خلل۔ آزمائش اور تھکن۔ کار پارک کرنے کی سہولت کا فقدان۔ اہل خانہ کے ساتھ شام گزارنے کی ترجیح۔ کئی سال قبل میری بیوی نے شام کو میرے ساتھ سماجی تقریبات میں جانے سے مستقل معذرت کر لی تھی (شام کی دو نمازوں کی ادائیگی میں خلل پیدا ہو جانے کی وجہ سے)۔ بڑی عمر کے دو بچے ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ فیصل طبعاً مردم بیزار ہے۔ عائشہ شام کو اپنے سکول میں پڑھاتی ہے۔ جو بچے ہمارے ساتھ نہیں رہتے میں اُنہیں اپنی رفاقت پر آمادہ کرنے کے لئے فون کرتا ہوں تو ان کی مصروفیات آڑے آتی ہیں یا وہ کوئی اتنا اچھا بہانہ بناتے ہیں کہ میری دل آزاری نہیں ہوتی مگر میں ایک بار پھر سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ اکیلا جاؤں یا نہ جاؤں؟

مذکورہ بالا تحفظات کے باوجود میں 16 نومبر کی شام کو وسطی لندن میں ہونے والی تقریبات میں شریک ہوا۔ ڈنر کا اہتمام جس عمارت میں کیا گیا تھا' اس کا نام Skinners Hall تھا جو 1670 میں تعمیر کیا گیا۔ لندن میں لگنے والی آگ کی واردات سے چار سال بعد (G اور F کو بڑے حروف میں لکھا جاتا ہے یعنی Great Fire)۔ ہال کی کمال کی اندرونی زیبائش۔ لاکھوں کروڑوں پاؤنڈوں کی مالیت کی تصاویر۔ بیش قیمت فرنیچر۔ میں نے کافی وقت ہال کی سیر کرنے اور اُس کے در و دیوار کو جی بھر کر دیکھنے پر صرف کیا۔ ہر شے کمال کی تھی۔ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں ہال کی بے مثال شان و شوکت کا اتنا اچھا نقشہ کھینچ دوں کہ میرے قارئین کو یوں لگے کہ وہ ہال کی سیر میرے ساتھ کر رہے ہیں۔ اتنا اچھا لکھاری ہونے کے لئے نام کے آخر میں آزاد کا ہونا ضروری ہے۔ (جیسے محمد حسین آزاد یا ابوالکلام آزاد) اگر یہ ممکن ہو تو آپ مختار مسعود۔ داؤد راہبر۔ مشتاق احمد یوسفی۔ ابن انشاء۔ جمیل احمد دہلوی۔ چراغ حسن حسرت۔ عبدالمجید سالک یا احمد ندیم قاسمی کے درجہ کی نثر نگاری کا خواب دیکھنے پر قناعت کریں۔ مذکورہ بالا نثر نگار لفظوں میں تصویر کھینچ دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ (یوسفی صاحب بفضل تعالیٰ زندہ ہیں اور اب بھی کر سکتے ہیں)۔ اس کالم نگار کی معذرت قبول فرمائیں۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے یا سنتا ہے اُس کی طرف صرف اشارہ کر سکتا ہے مگر اسے فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا جس طرح اچھے لکھاری۔ فارسی زبان کا ایک مقولہ ہے۔ گندم نہ ملے تو پھر بھُس (پنجابی میں توڑی) پر گزارا کریں اور صبر و شکر کا مظاہرہ بھی۔

اب آیئے اس کمال کے ہال کی طرف واپس چلیں جس کا نظم و نسق محافظوں اور دربانوں کی Ceremonial وردی بنانے والی اُن بارہ کمپنیوں میں سے ایک ہے۔ جو سات سو سال سے اس دشت کی سیاحی کر رہی ہیں۔ غالب نے اپنا تعارف یوں کرایا تھا۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

اس ہال کا بندوبست کرنے والی کمپنی بھی بجا طور پر یہی دعویٰ کر سکتی ہے۔

آدھا کالم لکھا جا چکا تھا کہ خیال آیا کہ اُس خاتون کا ذکر تو ابھی تک کیا نہیں گیا۔ جو اس ہال میں ہونے والے بے حد شاندار ڈنر پر ملیں۔ اب آیئے آپ کا ان سے تعارف کرایا جائے۔ نام ہے Jane Goodall۔ عمر 83 برس۔ اُنہوں نے ساری عمر جنگلوں میں رہنے والوں جانوروں (خصوصاً Chimpanze) پر تحقیق کی۔ اتنے کمال کی کتابیں لکھیں کہ مصنفہ پر اس وقت 40 فلمیں بنائی جا چکی ہیں۔ انگریزی زبان میں موصوفہ کو Primatologist کہا جاتا ہے۔ انجلینا جولی کی طرح ہالی ووڈ کے چوٹی کے اداکار اُن کے پُرجوش مداحوں کی لمبی فہرست میں شامل ہیں۔ بلکہ سر فہرست ہیں مائیکل جیکسن سے عالمی شہرت کے گلوکار نے اپنا ایک گیت (Heal the World) اُن کے اعزاز میں لکھا اور گایا۔ باقی لوگوں کی طرح میرا پہلا سوال بھی یہ تھا کہ وہ ننگے پاؤں (خاتون ہونے کے باوصف) جنگلوں میں مارے مارے پھر کر جانوروں کے ساتھ کئی کئی سال رہنے اور بڑے تحمل (اور یقیناً بہادری) سے ان کی عادات کا مطالعہ کے خار زار میں کیوں اور کس طرح اُتریں؟ جواب سیدھا سادا تھا۔ ''میں نے بچپن میں ٹارزن کی جنگلوں میں مہمات کے بارے میں ساری کہانیاں پڑھیں تو ٹارزن کے فرضی کردار پر دل و جان سے عاشق ہوگئی۔ میری طرح جن لوگوں نے بچپن میں ٹارزن کی کہانیاں پڑھی ہیں یا اُس پر بنی ہوئی فلمیں دیکھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ کہانیوں میں فرضی ٹارزن نے جس فرضی خاتون کو اپنی بیوی بنایا اُس کا نام جین (Jane) تھا۔ حسن اتفاق سے ممدوح خاتون کا نام بھی جین ہے۔ وہ ہنستے ہوئے

برطانیہ میں 1957ء میں ایک بچی نے اسکول کی تعلیم ختم کی۔ دفتری ملازمت کے لئے ضروری عملی تربیت حاصل کی۔ کئی دنوں کے تذبذب پر قابو پا کر اُس نے دُنیا میں اپنے مضمون کے سب سے بڑے ماہر Dr. Louis Leakey کو فون کیا۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ۔ اس بچی نے زندگی میں نہ Biology پڑھی اور نہ Zoology۔ مگر ستاروں پر کمند ڈالنے کے جنون میں آتش نمرود میں بے خطر کود پڑی۔ معجزہ یہ ہوا کہ Dr. Leakey اُسے اپنا مددگار بنانے پر تیار ہو گئے اور اُسے لنگوروں کے ساتھ سالہا سال گزارنے کے لئے مشرقی افریقہ بھیج دیا یہ کام ختم ہوا تو جنگلی حیات پر مزید تحقیق شروع ہوئی اور اس کام میں جین (Jane) کی زندگی بیت گئی۔

کہنے لگیں کہ ٹارزن کی بے خوفی اور بہادری اپنی جگہ مگر اُس کی بے وقوفی اور بدنصیبی کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے شادی کی بھی تو غلط Jane سے۔ کالم نگار نے ٹارزن کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ مصیبت یہ تھی کہ ٹارزن اور اُس کی بیوی دونوں فرضی تھے اور آپ کا وجود حقیقی ہے۔ فرضی ٹارزن اصل جین سے شادی کرتا تو کیونکر؟ سفید اور سنہری بالوں والی خاتون کے خوبصورت چہرے پر وہ دلکش مسکراہٹ اُبھری جو اودھ کی شام کو بنارس کی صبح میں تبدیل کر سکتی ہے۔ ڈنر کا ٹکٹ پانچ ہزار روپے کے برابر پاؤنڈ خرچ کر کے میری طرح تین سو لوگوں نے خریدا۔ ظاہر ہے کہ مقصد مذکورہ بالا خاتون سے ملنا، ان کے خیالات سے مستفید ہونا اور اُن کی بنائی ہوئی خیراتی تنظیم کو چندہ دینا تھا۔

برطانیہ میں 1957ء میں ایک بچی نے اسکول کی تعلیم ختم کی۔ دفتری ملازمت کے لئے ضروری عملی تربیت حاصل کی۔ کئی دنوں کے تذبذب پر قابو پا کر اُس نے دُنیا میں اپنے مضمون کے سب سے بڑے ماہر Dr. Louis Leakey کو فون کیا۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ۔ اس بچی نے زندگی میں نہ Biology پڑھی اور نہ Zoology۔ مگر ستاروں پر کمند ڈالنے کے جنون میں آتش نمرود میں بے خطر کود پڑی۔ معجزہ یہ ہوا کہ Dr. Leakey اُسے اپنا مددگار بنانے

پر تیار ہو گئے اور اُسے لنگوروں کے ساتھ سالہا سال گزارنے کے لئے مشرقی افریقہ بھیج دیا یہ کام ختم ہوا تو جنگلی حیات پر مزید تحقیق شروع ہوئی اور اس کام میں جین (Jane) کی زندگی بیت گئی۔

آپ شہری ہوں یا دیہاتی۔ چار دیواری میں رہنے والوں کے لئے افریقی جنگل میں خیمہ لگا کر رہنے والے کو در پیش خطرات کا تصور کرنا ہرگز ممکن نہیں۔ ہر طرح کے طوفان، نا قابل برداشت سانپوں اور بچھوؤں کی بہتات۔ مردم خور جانوروں کی قربت اور نہ ختم ہونے والی تنہائی۔ جین نے پہلی بار دریافت کیا کہ لنگور (Chimps) انسانوں کی طرح اوزار بنا سکتے ہیں۔ انسانوں کی طرح وہ ایک مخصوص ذہن اور شخصیت کے مالک ہوتے ہیں اور انسانوں سے اس حد تک مماثلت رکھتے ہیں کہ اُن کے درمیان بھی خانہ جنگی (Civil War) ہوتی ہے۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ جین کی تحقیق منظر عام پر آئی تو اُسے فوراً پذیرائی ملی نہ اُس پر داد تحسین کے پھول برسائے گئے۔ برطانوی اخباروں نے اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا کہ سالوں پہلے رسالوں کے صفحہ اول پر اُس کی تصویر کی اشاعت کی وجہ اُس کی ٹانگوں کی خوبصورتی (یعنی محض جسمانی دلکشی) ہے۔ اب وُہی اخبارات اُسکی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ جین نے اپنی باقی ماندہ زندگی انسانی ماحول اور جنگلی حیات کے تحفظ کے لئے وقف کر دی ہے۔ کالم نگار نے جین کو پنجاب میں چھائی ہوئی دُھند کے بارے میں بتایا تو اُنہوں نے کہا کہ میں اس کے بارے میں مکمل واقفیت رکھتی ہوں۔ اُنہوں نے پاکستان میں جنگلات کی گرتی ہوئی شرح، پانی کی مقدار میں کمی، پینے کے پانی میں زہر آلودگی۔ تیزابی دھند سے ہوا کی خرابی اور ماحولیات سے مجرمانہ غفلت پر شدید تشویش ظاہر کی۔

کتنا اچھا ہو کہ میرے یہ اہل وطن بھی اس تشویش میں اُن کے حصہ دار بن جائیں۔

پیشہ ور صاحبو تم بھکاری نہیں

وسعت اللہ خان

شاید آپ کو یاد ہو لگ بھگ دو برس پہلے لاہور میں ایک ماں تین معصوم بچے لے کر فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ ان بچوں کے گلے میں پڑے پلے کارڈز پر لکھا تھا، غربت کے ہاتھوں مجبور برائے فروخت۔ اس کے بعد کئی شہروں میں پریس کلب یا مصروف چوک پر ہر چند روز بعد کوئی نہ کوئی مرد یا عورت اپنے بچوں کو ایسے ہی پلے کارڈز پہنا کر سڑک پر لانے لگا۔ شروع شروع میں تو میڈیا نے اس سٹوری کو کوریج بھی دی۔ کوریج بند ہوئی تو یہ بچے اور ان کے والدین بھی کہیں چلے گئے۔ بہت سی بسوں ویگنوں میں ایسے کردار بھی نظر آتے تھے جو سفر شروع ہوتے ہی مسافروں کی گود میں کارڈ پھینکنے لگتے۔ ان پر ایک ہی طرح کی عبارت درج ہوتی، میں یتیم ہوں، پانچ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ گھر والی کوٹی بی ہے، ایک بچی معذور ہے۔ اللہ کے نام پر کچھ امداد فرما دیجیے۔ کارڈ کے ایک کونے پر باریک سا لکھا ہوتا ہے، مدینہ پرنٹنگ پریس۔ کچھ عرصے میں مسافر جب ان مجبوروں لاچاروں کو پہچاننے لگتے تو یہ کسی اور روٹ کی بس یا ویگن پکڑ لیتے۔ اب یہ کارڈ ہولڈر خاصے نایاب ہو چکے ہیں۔ ایک زمانے تک ایسے بھی کردار نظر آتے رہے کہ پرات میں چھولے بھرے ہیں اور سر پر اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ اچانک ٹھوکر لگنے سے گر پڑے یا چلتے چلتے گر کے بے ہوش ہو گئے یا پھر یکدم مرگی کا دورہ پڑا اور سڑک پر لیٹ کر تڑپنے لگے۔ چھولے زمین پر بکھر گئے۔ پانچ دس راہ گیر جمع ہو گئے۔ کوئی پانی پلاتا، کوئی پیٹھ سہلاتا، کوئی ترس کھا کر سو دو سو تھما دیتا اور تھوڑی دیر میں چھولے والا اٹھتا اور آہستہ آہستہ چل پڑتا۔ اگلے روز کی تیاری بھی تو کرنا تھی۔ کئی عورتیں یا مرد کسی ڈاکٹر کا نسخہ، دوا کا پیکٹ یا ایکسرے شیٹ لے کر چوک میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گزرتے لوگ ان کی مدد بھی کر دیتے ہیں مگر اگلے روز پھر یہ مریض اسی جگہ 'اپنا طبی سامان' اٹھائے کھڑے ہوتے ہیں۔ یقیناً ان میں سے کچھ حقیقی ضرورت مند ہیں مگر لوگوں کی ہمدردی اور امداد حاصل کرنے کے یہ طریقے پیشہ ور حضرات اتنی تعداد میں نقل کرتے ہیں کہ اصل ضرورت مند نقلیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ انسان ہی نہیں کئی ریاستیں

کچھ عرصے میں مسافر جب ان مجبوروں لاچاروں کو پہچاننے لگتے تو یہ کسی اور روٹ کی بس یا ویگن پکڑ لیتے۔ اب یہ کارڈ ہولڈر خاصے نایاب ہو چکے ہیں۔ ایک زمانے تک ایسے بھی کردار نظر آتے رہے کہ پرات میں چھولے بھرے ہیں اور سر پر اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ اچانک ٹھوکر لگنے سے گر پڑے یا چلتے چلتے گر کے بے ہوش ہو گئے یا پھر یکدم مرگی کا دورہ پڑا اور سڑک پر لیٹ کر تڑپنے لگے۔ چھولے زمین پر بکھر گئے۔ پانچ دس راہ گیر جمع ہو گئے۔ کوئی پانی پلاتا، کوئی پیٹھ سہلاتا، کوئی ترس کھا کر سو دو سو تھما دیتا اور تھوڑی دیر میں چھولے والا اٹھتا اور آہستہ آہستہ چل پڑتا۔ اگلے روز کی تیاری بھی تو کرنا تھی۔ کئی عورتیں یا مرد کسی ڈاکٹر کا نسخہ، دوا کا پیکٹ یا ایکسرے شیٹ لے کر چوک میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

بھی اپنے مسائل، دکھ اور محرومیاں طرح طرح سے مارکیٹ کرتی ہیں تا کہ بغیر محنت کے ان حکمران طبقات کی روزی روٹی چلتی رہے جو اپنی قوم کو معذوری کے ریڑھے پر بٹھا کے دنیا بھر میں آواز لگانا قطعاً معیوب نہیں سمجھتے۔ آمدنی قرض کی شکل میں ہو کہ خیرات بس آتی رہے۔ مگر جو بھی مال آتا ہے وہ ریڑھا کھینچنے والا اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے۔ ریڑھے پر بٹھائی قوم کو دو وقت کی روٹی اور دلاسے کے سوا عموماً کچھ نہیں ملتا۔ چند ممالک نے ایک اور ٹیکنیک ایجاد کی ہے۔ وہ دھمکی کی بنیاد پر امداد، خیرات و قرض اکٹھا کرتے ہیں۔ اگر تم نے ہماری مدد نہ کی تو ہمیں دہشت گرد کھا جائیں گے اس کے بعد تمہاری باری ہے۔ پھر مت کہنا کہ بروقت وارننگ نہیں دی۔ اگر تم نے ہمارا وظیفہ بند کیا تو بے روزگاری پھیلے گی اور مذہبی شدت پسند اس بے روزگار خام مال کو استعمال کرتے ہوئے اقتدار پر ووٹ یا بغیر ووٹ قبضہ کر لیں گے۔ لہٰذا ہمیں ریاست چلاتے رہنے کے لیے پیسے بھی دو، سفارتی مدد بھی اور اسلحہ بھی۔ یہ تم ہم پر نہیں خود پے احسان کرو گے۔ خبردار جو کردار کشی کی۔ اگر تم نے یونہی ہاتھ روکے رکھا تو ہماری معیشت ڈوب جائے گی اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور یہ خانہ جنگی صرف ہماری چار دیواری تک ہی نہ رہے گی۔ اگر اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر کسی پاگل گروہ یا فرد نے ریاست کو یرغمال بنا لیا تو سوچو ہمارے ایٹمی ہتھیار کس کے ہاتھ میں ہوں گے؟ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے جلدی سے جیب ڈھیلی کرو۔ آج چار پانچ ارب ڈالر میں بھی کام چل جائے گا۔ کل کھربوں بھی خرچ کرو گے تو ہماری ریاست تحلیل ہونے کے بعد اردگرد پھیلنے والی تباہی پر قابو نہ پا سکو گے۔ کیا تم کروڑوں نئے پناہ گزینوں کا بوجھ اٹھا پاؤ گے؟ ہم نے آج تک اپنی غیرت پر سمجھوتہ نہیں کیا بس تمہارے بھلے کے لیے تمہیں آگاہ کر رہے ہیں۔ مگر یہ تحکمانہ کارڈ بھی دیگر طریقوں کی طرح زیادہ دیر نہیں چلتا۔ خیراتی رفتہ رفتہ جاننے لگتے ہیں کہ واقعی ریاست ڈوب رہی ہے یا ڈوبنے کی اداکاری کر رہی ہے۔ کوئی پاگل ہی ہو گا جو اپنے ریڑھے پے بیٹھے معذور یا ریاست کو مرنے دے۔ کمینہ خود نہ ترس جائے گا۔

(بشکریہ روزنامہ مشرق)

ڈی آئی خان کی مظلوم لڑکی

اکرم شیخ

ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں کچھ جاننے کی ضرورت ہے کہ تحریک انصاف کے ڈیرہ اسماعیل خان کے ایم این اے داور کنڈی کون ہیں؟ ان کے انتخابی حلقہ کے ایک گاؤں میں برہنہ گھمائی گئی لڑکی کے ایشو پر صدائے احتجاج کے سیاسی اور ذاتی مقاصد کیا ہیں؟ یا پھر عمران خان کی دوسری مطلقہ ریحام خان اور ان کی ذاتی این جی او کے مقاصد کیا ہیں۔ وہ اس سے کیا مفادات حاصل کرنا چاہتی ہیں، یا محض عمران خان اور تحریک انصاف سے علیحدگی کا نتیجہ ہے؟ ہمیں بظاہر علی امین گنڈا پور سے بھی کوئی واسطہ نہیں، جو رکن صوبائی اسمبلی بھی ہیں خیبر پختونخوا کی واحد صادق اور امین حکومت کے وزیر با تدبیر ہیں۔

ہم تو بس انہیں اتنا جانتے ہیں کہ جب اس ملک کے واحد صادق اور امین لیڈر اور مستقبل میں وزارت عظمیٰ کے سب سے مناسب اور موزوں خواہش مند نے جب اسلام آباد کو بلاک کرنے کا عندیہ دیا تھا تو پشاور سے حکومت کی سرپرستی اور تعاون سے قافلہ اسلام آباد کی طرف مارچ کر رہا تھا، اس میں علی امین گنڈا پور نمائندگی کیلئے اپنا قافلہ لے کر آئے اور ان کی گاڑی سے شہد کی بوتلیں برآمد ہوئی تھیں، جن پر ام الخبائث کے لیبل لگے ہوئے تھے۔ یقیناً یہ کسی دشمن کی سازش تھی، جس میں سیاسی دشمنی کا دخل بھی ہوسکتا ہے۔ علی امین گنڈا پور خود بھی انتہائی شریف اور انسانی ہمدردی سے مزین ہیں جو ان کے چہرہ پُرنور سے ظاہر ہے۔ یہ جوان پر الزامات عائد ہو رہے ہیں کہ وہ معصوم لڑکی کو برہنہ کرنے، گاؤں میں گھمانے اور اس کی برہنہ ویڈیو بنانے والوں کی سرپرستی کر رہے ہیں یا ان کیخلاف مقدمہ درج ہونے میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر رہے ہیں، یہ سب کچھ غلط ہے۔ یہ محض داور کنڈی کا واویلا اور صدائے احتجاج تھی جس کی بنا پر انہیں پندرہ بیس دن بعد لڑکی کے گاؤں جانا پڑا اور اس سے اظہار ہمدردی بھی کرنا پڑا اور اس کی ریکارڈنگ چینلز کو بھی فراہم کرنا پڑی تاکہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس واردات میں ملوث ہیں اور نہ ہی انہوں نے مقامی ایس ایچ او کو مقدمہ درج نہ کرنے اور لڑکی کے والدین سے نازیبا سلوک کر کے دھمکیاں

ہم تو بس انہیں اتنا جانتے ہیں کہ جب اس ملک کے واحد صادق اور امین لیڈر اور مستقبل میں وزارت عظمیٰ کے سب سے مناسب اور موزوں خواہش مند نے جب اسلام آباد کو بلاک کرنے کا عندیہ دیا تھا تو پشاور سے حکومت کی سرپرستی اور تعاون سے قافلہ اسلام آباد کی طرف مارچ کر رہا تھا، اس میں علی امین گنڈا پور نمائندگی کیلئے اپنا قافلہ لے کر آئے اور ان کی گاڑی سے شہد کی بوتلیں برآمد ہوئی تھیں، جن پر ام الخبائث کے لیبل لگے ہوئے تھے۔ یقیناً یہ کسی دشمن کی سازش تھی، جس میں سیاسی دشمنی کا دخل بھی ہوسکتا ہے۔ علی امین گنڈا پور خود بھی انتہائی شریف اور انسانی ہمدردی سے مزین ہیں جو ان کے چہرہ پُرنور سے ظاہر ہے۔

دے کر تھانے سے نکالنے کو کہا تھا۔ یہ تو داور کنڈی تھے جنہوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ آئی جی کو نوٹس لینا پڑا، ایس ایچ او کا تبادلہ بھی کرنا پڑا اور کچھ ملزمان گرفتار بھی کرنا پڑے۔ یہ الگ بات کہ وہ جو اصل ''ملزم'' تھا جس کے بارے لڑکی نے بھی نشاندہی کردی تھی وہ تادم تحریر پولیس کی گرفت میں نہیں آیا۔ وہ کسی محفوظ پناہ گاہ میں تھا یا پھر وہ دریائے سندھ عبور کرکے ''پنجاب'' کی حدود میں داخل ہو گیا تھا یعنی خیبر پختونخوا کی گزشتہ چار سال سے بہتری کی طرف بڑھتی ہوئی پولیس، پنجاب پولیس کی حدود میں داخل نہیں ہوسکی۔ البتہ اس دوران یہ ضرور ہوا کہ ''داور کنڈی'' کو تحریک انصاف کی اعلیٰ ترین صادق اور امین قیادت نے انصاف کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اپنی پارٹی سے نکال دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، تحریک انصاف میں جو کوئی بھی حکومت اور وزیروں کے حسن کارکردگی پر تنقید کرتا ہے اس کے ساتھ ایسا ہی انصاف ہوتا ہے۔ ویسے بھی کہاں علی امین گنڈا پور جیسا ''شہد کا امین'' اور کہاں داور کنڈی جیسا محض ایک صادق۔

بہرحال دوستو! ہمیں ان صادق اور امین سیاستدانوں سے کوئی غرض ہے نہ ہی مصدقہ شرافت پر کوئی شبہ ہے۔ یہ بے بس اور بے کس، لاچار اور غریبوں کی عزت کے محافظ ہیں ان کی حفاظت کے چراغ غریبوں سے ہمدردی کی بنا پر جلتے اور جھونپڑیوں اور کچے مکانوں میں روشنی دیتے ہیں اسی بنا پر ہی تو یہ ان سے اعتماد حاصل کرتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ اسی صادق عمل سے قبائلی اور جاگیرداری نظام کو استحکام حاصل ہوتا ہے، ان کا تسلط اور غلبہ بھی قائم رہتا ہے اور بیچارے مجبور غریب عوام انہیں ووٹ دینے پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں ایسے میں اگر ایک معصوم اور بے گناہ لڑکی برہنہ ہوگئی ہے یا اسے برہنگی کی حالت میں گھمایا گیا ہے اور موبائل ویڈیو بنائی بھی گئی ہے تو پھر کیا ہوا ہے؟ کوئی قیامت تو نہیں آئی، آسمان ٹوٹا ہے نہ زمین پھٹی ہے۔ وہ ایک غریب لڑکی تھی اس کا تعلق ایک محنت کش خاندان سے تھا جو کچے مکانوں میں رہتا تھا۔ کمی کمین کی تو ویسے بھی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ عزت تو صرف حویلیوں اور محلات والوں کی ہوتی ہے غریبوں کی لڑکیاں تو پیدا ہی بے عزتی کیلئے ہوتی ہیں۔

یہی قبائلی نظام ہے اور یہی قبائلی روایات، ستم ظریفی کی انتہا تو یہ ہے کہ جمعیت العلمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن بھی ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے ہیں۔ چلئے وہ تو قومی لیڈر ہیں ان کے پاس آئین اور جمہوریت کی حفاظت کیلئے کی جانے والی جدوجہد میں اتنا وقت نہیں کہ وہ اس زیادتی پر صدائے احتجاج بلند کرتے۔ ان کے بھائی تو ہیں وہ ہی چند لفظ ادا کر سکتے تھے۔ فیصل کریم کنڈی بھی ہیں کسی کی نظر اس ظلم پر نہیں گئی؟ شاید انہوں نے اس کو تحریک انصاف کا ذاتی مسئلہ سمجھ کر خاموشی اختیار کی ہے حالانکہ اس معصوم لڑکی کا تعلق کسی جماعت سے نہیں تھا اس کا تعلق صرف اور صرف غربت سے تھا۔ یہ تعلق بھی کوئی آج کا نہیں صدیوں کا تھا اور یہ تعلق مستقبل قریب یا بعید میں بھی ٹوٹنے والا نہیں البتہ کچھ بدنامیاں اور رسوائیاں خلش بن کر اس کے ساتھ رہیں گی۔

''25 نومبر'' خواتین پر تشدد کے تدارک کا دن'' نتیجہ صفر''

مسرت لغاری

قارئین ہم سب جانتے ہیں 25 نومبر، ہر سال خواتین پر تشدد کیلئے عالمی دن منانے کے طور پر منایا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دن اور 8 مارچ خواتین کے حقوق کی بات کرنے کا دن دو ایام ایسے ایام ہیں جو سال بھر میں مظلوم خواتین کو الاٹ کر دیئے گئے ہیں کہ ان میں خوب رو دھولو، اپنے پامال حقوق کی بات کرلو، اس کے بعد پورا سال تمہیں چُپ رہنا ہوگا جبکہ آج تک کسی معاشرے میں مردانہ حقوق کیلئے کوئی دن نہیں منایا گیا اس لئے کہ وہ خود ہی حاکم ہے، خود ہی اپنے حقوق طے کرتا ہے اور حاصل کر لیتا ہے۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ ایسے نام نہاد دِن منانا قطعی طور پر ایک بے اجر اور بے ثمر کوشش ہی نہیں بلکہ عورت صدیوں سے جس مظلومیت کا عملاً شکار ہے یہ اُس کے پرانے زخموں پر ہر سال نیا نمک چھڑ کنے کے مترادف ہے۔ اگر خواتین پر تشدد کا عالمی دن اُن پر تشدد ہی کی طرح گزرتا ہے تو پھر منانے کا کیا فائدہ؟ قارئین سوچنا یہ ہے کہ ایسے دن منانے سے کیا محض اُس دن کی اہمیت واضح ہوتی ہے یا اُن حادثات و واقعات کا تدارک بھی ہو جاتا ہے، اُس کی بنیاد بھی ختم ہو جاتی ہے یا ہوسکتی ہے جو اُس دن سے مربوط و منسلک ہوتے ہیں؟ لمحہ موجود میں تمام تر سائنسی ارتقاء کے باوجود انسانی حقوق جس طرح پامال ہیں ان کا تصور ہی محال ہے جبکہ خواتین پر جس قدر ہر سطح پر تشدد کیا جاتا ہے اس حوالے سے تو اس یوم کا نام ''خواتین پر عالمی تشدد'' ہونا چاہیے دُنیا بھر میں گھریلو سطح پر تشدد سے لے کر جنگوں میں اسے بطور ہتھیار، کبھی بطور ڈھال اور کبھی بطور استحصال استعمال کیا جاتا ہے وہ ان پر تشدد کی بدترین قسم ہے اور یہ بات آج کی نہیں اس سے پہلے بھی ازل سے لے کر اب تک خواتین کے ساتھ مردانہ جابر معاشرہ جو امتیازی سلوک روا رکھتا ہے یا رکھ رہا ہے یا ان پر تشدد کی اور تذلیل کیلئے جو جو اقسام وضع کر رہا ہے اگر ہم اُن کو نظر انداز بھی کر دیں تو بھی یہ ایک عام اور عام فہم سی بات ہے کہ تشدد کسی بھی انسان کی طرف سے کسی بھی انسان پر ہو اُس کا جواز یقیناً کوئی جرم ہوتا ہے اور تو اور پولیس جیسا محکمہ بھی جس کے ظلم و ستم کی دہشت و وحشت سے عوام سے لے کر خواص تک تھر تھر کانپتے ہیں ہمارے خیال میں وہ بھی جھوٹ یا سچ کسی بھی قسم کا جرم سامنے آنے پر ہی اپنا عمل اور ردعمل شروع کرتا ہے لیکن صد افسوس کہ عورت وہ واحد مخلوق ہے جس پر تشدد کا جواز بجائے خود عورت کا محض عورت ہونے کا جُرم ہے۔

خواتین پر جس قدر ہر سطح پر تشدد کیا جاتا ہے اس حوالے سے تو اس یوم کا نام ''خواتین پر عالمی تشدد'' ہونا چاہیے دُنیا بھر میں گھریلو سطح پر تشدد سے لے کر جنگوں میں اسے بطور ہتھیار، کبھی بطور ڈھال اور کبھی بطور استحصال استعمال کیا جاتا ہے وہ ان پر تشدد کی بدترین قسم ہے اور یہ بات آج کی نہیں اس سے پہلے بھی ازل سے لے کر اب تک خواتین کے ساتھ مردانہ جابر معاشرہ جو امتیازی سلوک روا رکھتا ہے یا رکھ رہا ہے یا ان پر تشدد کی اور تذلیل کیلئے جو جو اقسام وضع کر رہا ہے اگر ہم اُن کو نظر انداز بھی کر دیں تو بھی یہ ایک عام اور عام فہم سی بات ہے کہ تشدد کسی بھی انسان کی طرف سے کسی بھی انسان پر ہو اُس کا جواز یقیناً کوئی جرم ہوتا ہے اور تو اور پولیس جیسا محکمہ بھی جس کے ظلم و ستم کی دہشت و وحشت سے عوام سے لے کر خواص تک تھر تھر کانپتے ہیں ہمارے خیال میں وہ بھی جھوٹ یا سچ کسی بھی قسم کا جرم سامنے آنے پر ہی اپنا عمل اور ردعمل شروع کرتا ہے لیکن صد افسوس کہ عورت وہ واحد مخلوق ہے جس پر تشدد کا جواز بجائے خود عورت کا محض عورت ہونے کا جُرم ہے۔

ہر روز ملک بھر کے اخبارات ایسے اعداد و شمار سے بھرے ہوتے ہیں جن میں تشدد کیلئے عورت کا محض عورت ہونا ثابت ہوتا ہے اور کافی ہوتا ہے ایک محتاط اندازے کے مطابق پچھلے دو تین سالوں میں با تصویر کہانیوں کے مطابق ابتک تقریباً ایک سو عورتوں کو آگ لگا کر دردناک موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ کاروکاری جیسی وحشت ناک خود ساختہ رسم کے تحت درجنوں بے قصور دوشیزاؤں کو ہلاک کیا گیا، گینگ ریپ کے نتیجے میں سینکڑوں خواتین کو جانورانہ انداز میں قتل کر دیا جاتا ہے، چولہا پھٹنے کے نام پر اور خُلع لینے کی خاطر عدالت میں آنے والی لاچار عورتوں کو برسرِ عام ذبح کرنے کے واقعات تو گلیوں میں گلی ڈنڈا کھیلنے جیسے کھیلوں کی طرح عام ہیں جبکہ دس یا نو سالہ کچی کلیوں جیسی بچیوں کو اِدھر اُدھر گلیوں میں کاٹ پھینکنے کی بات کسی شمار قطار میں نہیں رکھی جاتی رہ گئیں نام نہاد عزت کی خاطر قتل ہو جانے والی خواتین یا وہ قتل جو اپنی نام نہاد عزت کو بچانے کی خاطر چُھپائے جاتے ہیں تو وہ زیادہ تر پرنٹ میڈیا پر جانے سے پہلے ہی ختم کر دیئے جاتے ہیں قارئین اگر ہم اس تمام قتل و غارت کا حساب کرنے بیٹھیں تو یہ یقین کرنے میں بہت زور لگانا پڑے گا کہ ہم ایک اسلامی معاشرے میں رہ رہے ہیں ایک ایسا اسلامی معاشرہ جس میں زیرِ حراست خواتین کی حتمی بے حُرمتی، گھر کی جائیداد گھر میں رکھنے کی خاطر بچی کی قرآن سے شادی، مُطلقہ عورتوں سے جہیز اور بچے چھین لینا، بیوی کے ہاتھوں طلاق کا کاغذ بیچنا، اُنکے چہروں پر تیزاب پھینک کر اندھا کر دینا جیسے جرائم روزمرہ کے طور پر رائج و جاری ہیں اور لطف یہ کہ اِن سُرخ مظالم میں سے اکثر کی کسی کو کان و کان خبر ہی نہیں ہوتی یا وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جو چیز روٹین میں آ جائے اس کی خبر نہیں بنتی بہر حال قارئین اب آیئے بات کریں اس تشدد اور زخموں کی بھی جن کی تصویر لینے کیلئے کسی موجد نے ابھی تک کوئی کیمرہ ایجاد نہیں کیا نہ ہی اُن کی پُر اِسرار تعداد کو کسی شمار قطار میں رکھا جاسکتا ہے وہ ہیں عورتوں پر جذباتی، نفسیاتی، ذہنی اور رُوحانی تشدد کے گُھجے وار اور چرکے۔ اس کے باوجود آپ کو ہر عورت ہنستی ہوئی اور میک اَپ زدہ نظر آئے گی۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو شاید مرنے سے بہت عرصہ پہلے مر جائے زندگی کے نام پر موت سے سمجھوتہ صرف عورت ہی کر سکتی ہے۔ قارئین ہمیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ مندرجہ بالا سب کچھ کرنے والے یہ لوگ کون ہیں؟ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ ان میں سے ہم نے آج تک کسی ایک بھی قاتل اور ظالم کی تصویر اخبار میں نہیں دیکھی سنگسار ہوتے ہوئے یا سرِ عام جسے آگ میں جھونکا جا رہا ہو؟ اس کا مطلب ہے مردانہ معاشرہ پہلے اُنہیں مدتوں تک بیان بازی، دلیل سازی اور زبان درازی کی مہلت دے کر شعلہ ریز مسئلے کو برف زدہ کرنے کا موقعہ مہیا کرتا ہے پھر رہا کرا دیتا ہے اندھا قانون مسلسل محوِ تماشا اور بے حِس و بے ضمیر معاشرہ ایک لمبی پُر اِسرار چُپ میں مُبتلا رہتا ہے۔ ان حالات میں یہ سوچ آتی ہے کہ شاید انصاف اور قانون کے مذکر الفاظ محض مرد کے مفاد کیلئے ہیں اور ناانصافی کا مؤنث لفظ عورت کیلئے بچ گیا ہے۔ ذاتی طور پر ہمارے ذہن میں اس ساری خون آلود صورتحال کا ایک ہی حل موجود ہے کہ بہتر ہے لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دینے والی رسم کو دوبارہ زندہ کیا جائے کیونکہ اگر ہم ذہنی طور پر نورِ نبوت کے طلوع ہونے سے پہلے والے کالے دور میں رہ سکتے ہیں تو کیا حرج ہے۔ جسمانی طور پر بھی اُن رسوم کو اپنا لیا جائے اس کا سب سے بڑا فائدہ خود عورت ہی کو پہنچے گا کیونکہ ایک نوزائیدہ بچہ کا گلہ گھونٹنے میں اسے محض چند لمحوں کی اذیت برداشت کرنی پڑے گی جبکہ تیس پینتیس سالہ زندہ شعور و احساس رکھنے والی بھرپور عورت کو مسام مسام جلنے، سسکنے، ایڑیاں رگڑنے اور خون و پیپ میں پھنکنے سے لے کر کوئلہ بن جانے تک تیس پینتیس دن لگتے ہیں دوسرا حل اسلامی شرعی سزاؤں کا نفاذ ہے جو کہ مغرب زدہ لوگوں کو پسند نہیں اگر ان سزاؤں پر عمل درآمد شروع ہو جائے تو معاشرے میں خواتین کے علاوہ ہر مظلوم کو یقینی انصاف مل جائے گا۔

آخر میں کہنا یہ ہے کہ خدارا مرد حضرت اپنی بیویوں، بہنوں اور بچیوں کو بھی اپنی طرح کا انسان سمجھیں اور محض اپنے گھر کی عورتوں پر تشدد کا جواز پیدا کرنے کیلئے معاشرے کی بچیوں پر مظالم کو نظر انداز نہ کریں بلکہ انکے ساتھ زیادتیوں پر صدائے احتجاج بلند کریں، حکومتیں، عدالتیں، علماء اور باشعور طبقہ اپنی اپنی سطح پر میدانِ عمل میں اترے اور عورتوں کو ہر سطح پر مردانہ جبر و تشدد کے عذاب سے نجات دلائے ہر سال محض دن منانے سے صورتحال درست ہونے کا ہرگز اِمکان نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر انسان اس اٹل حقیقت کو ذہن میں رکھے کہ تمام مرد اور خواتین بلا تخصیص جنس ہر سطح پر بحیثیت انسان یکساں ہیں۔ کتابِ روشن میں بھی درج ہے کہ:

''اور جو کوئی بھلے کام کرے گا چاہے مرد ہو یا عورت تو وہ جنت میں داخل کیا جائے گا''۔ (القرآن)

خواتین پر تشدد کے خاتمے کیلئے کیا کرنا ہوگا؟

عادل عزیز خانزادہ

پاکستان میں خواتین پر جنسی تشدد اور انہیں ہراساں کیے جانے کے بڑھتے ہوئے واقعات کی روک تھام کے لیے حکومت اب تک متعدد اقدامات کرچکی ہے، لیکن بدقسمتی سے یہ سنگین ہوتا مسئلہ جہاں ملک کے لیے بدنامی کا باعث بن رہا ہے، وہیں معاشرے میں بھی ایک بدنما روایت کو جنم دے رہا ہے۔

اگرچہ پنجاب حکومت خواتین پر گھریلو تشدد، تیزاب گردی اور انہیں غیرت کے نام پر قتل کیے جانے کے واقعات کے خلاف تحفظِ نسواں جیسے بل بھی منظور کروا چکی ہے، لیکن عام خیال یہی ہے کہ ان قوانین پر مناسب عملدرآمد نہ ہونے کے باعث آج بھی خواتین ایسے واقعات کا نشانہ بن رہی ہیں۔

ان واقعات کی بڑھتی ہوئی شرح کی ایک واضح مثال سال 2016 کے حالیہ اعداد وشمار ہیں، جن کے مطابق ملک میں دہشت گردی سے متاثرہ افراد سے زیادہ تعداد ان خواتین کی تھی، جنہیں غیرت کے نام پر قتل کردیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان واقعات میں مجرموں کو سزا نہ ہونا اور قوانین کو نظرانداز کرنا ہی بڑی رکاوٹ ہے یا اصل میں ہمیں کچھ اور کرنے کی ضرورت ہے؟

حسیب خواجہ ایک سماجی کارکن ہیں، جو معاشرے میں خواتین کو درپیش ان مسائل کی وجہ قوانین کے بجائے اُس سوچ اور رویے کو قرار دیتے ہیں، جسے ان مسائل کے جڑ سے خاتمے کے لیے اب تبدیل کرنا ہوگا۔

حسیب خواجہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے عورت نہیں، بلکہ خود مرد ہی ختم کرسکتا ہے، لہذا مردوں کو ایسی سوچ سے باہر آنے کے ساتھ ایسے افراد سے خود کو دور کرنا ہوگا جن میں ایسی سوچ پائی جاتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ ماضی میں بہت مرتبہ ایسے واقعات کی مذمت کرکے حکومتی سطح پر بلند وبانگ دعوے کیے جاتے رہے، لیکن زمینی حقائق پر نظر ڈالیں تو ہر جگہ عورت کو کمزور سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنا کیس لڑنے میں مشکلات کا سامنا کرتی ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ اس صورتحال میں ہمارے ریاستی ادارے کو بھی بہتر بنانے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب 2 کوئی گھنٹے کے بعد ایک عورت اس کا نشانہ بنتی متاثرہ عورت یا لڑکی شکایت درج کروانے پولیس اسٹیشن

جاتی ہے تو وہ اسے ہی ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ 'جب کسی عورت کیساتھ ریپ کیا جاتا ہے تو وہ اُس کی رضامندی سے نہیں ہوتا اور یہی بات سمجھنے کی ضرورت ہے، جس سے معاشرے میں عورت کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے اور جہاں تک سوچ کی بات ہے تو اس کی ایک بنیادی وجہ جہالت بھی ہے، کیونکہ اگر ہم معاشرے میں عورت اور مرد دونوں کے لیے صرف تعلیم کو ہی ٹھیک کردیں تب بھی کافی حد تک ہم مسئلے کے حل تک پہنچ سکتے ہیں'۔

حسیب خواجہ نے کہا کہ ایسے جرائم معاشرتی کمزوریوں سے پیدا ہوتے ہیں جن میں تعلیم سب سے پہلا جز ہے، لہذا حکومت کو چاہیے کہ قوانین سے زیادہ ان سماجی مسائل پر توجہ دے۔

ان کا مزید کہنا تھا کہ ہم کسی ایک مرد کو بھی ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے، کیونکہ جب بچپن سے یہی وہ 'مرد بنو، غیرت پیدا کرو' جیسی باتیں سنتا آیا ہو تو یہ سوچ بھی ویسی ہو جاتی ہے اسی لیے غلطی ایک سے نہیں، بلکہ ہم سب سے ہو رہی ہے، جو ایک بیماری کی طرح ہر ایک میں منتقل ہو جاتی ہے۔

سماجی کارکن کے بقول اس رویے کے باعث غیرت کو عورت کا کردار نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اسے اس کے جسم سے جوڑ دیا گیا ہے اور جب تک ہم اپنے ذہنوں کو صاف نہیں کریں گے تب تک یہ غلط سوچ معاشرے کو تباہ کرتی رہے گی۔

حسیب خواجہ نے بتایا کہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی) کی حالیہ رپورٹ میں غیرت کے نام پر قتل کی گئی خواتین کی تعداد ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے، مگر ہم صرف ریپ کی بات کریں تو ملک میں ہر ہے، جو تشویشناک صورتحال ہے۔

'ریپ ایک سماجی مسئلہ ہے'

ان کا کہنا تھا کہ عام طور پر جو لوگ خبروں میں ریپ کے واقعات کو سنتے ہیں، ان میں بھی یہ سوچ پیدا ہو رہی ہے کہ یہ شاید کوئی مغرب کا کلچر ہے، مگر حقیقتاً یہ تو ہمارے سماج کا بھیانک ترین مسئلہ ہے، جس پر بات کرنے والے صرف گنتی کے افراد ہیں۔

انہوں نے کہا 'مسائل کو قالین کے پیچھے ڈال دینا یا ان پر بات کرنے سے روکنا حل نہیں ہے، بلکہ یہی وہ غلطی ہے جس سے ہم دنیا میں ان واقعات کی وجہ سے بدنامی کا سامنا کررہے ہیں'۔

حسیب خواجہ نے انسانی حقوق کے اداروں پر بھی زور دیتے ہوئے کہا کہ وہ مردوں اور عورتوں میں جنسی تعلیم اور تربیت کو فروغ دے لہذا اس سلسلے میں آگاہی مہم چلانا ہوگی۔

انہوں نے کہا کہ آگاہی دینا اور سوچ کو تبدیل کرنا ایک مشکل کام ہے اور اس میں وقت لگے گا، مگر صرف جذبے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ ناممکن نہیں ہے'۔

خیال رہے کہ خواتین پر تشدد کے واقعات کی وجہ سے اس وقت پاکستان کا دنیا میں چوتھا نمبر ہے، جبکہ ایسے واقعات کا شکار کئی دیگر ممالک بھی ہیں۔

واضح رہے کہ حال ہی میں اقوامِ متحدہ نے دنیا بھر میں خواتین پر تشدد کے خلاف ایک روزہ آگاہی مہم کا بھی آغاز کیا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

خودکشی کے واقعات

مختلف ات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق **21** اکتوبر سے **25** نومبر تک کے دوران ملک بھر میں **228** افراد نے خودکشی کی۔ خودکشی کرنے والوں میں **91** خواتین شامل تھیں۔ اسی عرصہ کے دوران **119** افراد نے خودکشی کرنے کی کوشش کی جنھیں بروقت طبی امداد دے کر بچالیا گیا۔ اقدام خودکشی کرنے والوں میں **51** خواتین شامل ہیں۔ اعدادوشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں **156** افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آکر اور **5** نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہوکر خودکشی کی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
21اکتوبر	پرویز	مرد	۔	غیرشادی شدہ	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکو گولی مارکر	حافظ آباد	۔	نوائے وقت
21اکتوبر	یونس	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	فیصل آباد	۔	جنگ
22اکتوبر	افتخار احمد	مرد	35برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	گاؤں عالم والا چونیاں	۔	جنگ
22اکتوبر	حاجن بی بی	خاتون	25برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلہ رضاآباد جڑانوالہ	۔	جنگ
22اکتوبر	صفیہ بی بی	خاتون	،	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نواحی گاؤں۔1EB، پاکپتن	۔	جنگ
23اکتوبر	فوزیہ	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مریدکے	۔	نوائے وقت
23اکتوبر	محمدعلیم	مرد	16برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	جنگ
23اکتوبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ونیکے تارڑ، حاظ آباد	۔	جنگ
23اکتوبر	طاہرہ	خاتون	55برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	جنگ
23اکتوبر	۔	مرد	52برس	۔	۔	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	جنگ
23اکتوبر	خواجہ عبدالواحد	مرد	52برس	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	ٹرین تلے آکر	فیصل آباد	۔	ایکسپریس
23اکتوبر	منشاء بی بی	خاتون	23برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	چھت سے کودکر	سیالکوٹ	۔	نوائے وقت
23اکتوبر	افتخار	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصور	۔	دنیا
24اکتوبر	اویس	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	لاہور	۔	جنگ
24اکتوبر	غلام شبیر	مرد	25برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	گاؤں گلی والا، منکیرہ	۔	جنگ
24اکتوبر	آصف	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پنڈی بھٹیاں	۔	جنگ
24اکتوبر	۔	خاتون			گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رحیم یارخان	۔	جنگ
24اکتوبر	عباس	مرد	20برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	لاہور	۔	جنگ
24اکتوبر	بشریٰ	خاتون	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹیل والا، رحیم یارخان	۔	جنگ
24اکتوبر	گل زمان	مرد	۔	۔	۔	پھندالےکر	نوشکی، لاہور	۔	دنیا
24اکتوبر	وسیم	مرد	۔	۔	۔	پھندالےکر	گوٹھ سلیمان، سجاول	۔	جنگ
25اکتوبر	محمدآصف	مرد	18برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	حافظ آباد	۔	جنگ
25اکتوبر	محمدافتخار	مرد	25برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصبہ رادھن، سرگودھا	۔	جنگ
25اکتوبر	سمیرا	خاتون	18برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک628ٹی ڈی اے، چوک سرورشہید	۔	دنیا
25اکتوبر	دلشاداحمد	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کوٹ کرم خان	۔	دنیا
25اکتوبر	محمدرمضان	مرد	55برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سلامت پورہ، لاہور	۔	دنیا
26اکتوبر	مدثر	مرد	20برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نارنگ منڈی، لاہور	۔	نئی بات
26اکتوبر	آصف مسیح	مرد	--	---	گھریلو پریشانی	زہرخورانی	ممتاز کالونی ضلع تھرپارکر	--	عوامی آواز
26اکتوبر	ہاسوشیخ	خاتون	35برس	---	۔	ٹرین تلے آکر	ریلوے پھاٹک، میرپورخاص	--	عوامی آواز
26اکتوبر	احمد	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوجلاکر	محلہ محمدپورہ، خانپور	۔	خبریں ملتان
27اکتوبر	رضیہ	خاتون	۔	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سمن آباد، فیصل آباد	۔	نوائے وقت
27اکتوبر	صفدر	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹوبہ ٹیک سنگھ	۔	نوائے وقت
27اکتوبر	عبدالرحمان	مرد	27برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	طاہرآباد، چناب نگر	۔	نوائے وقت
27اکتوبر	وارث	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جی ٹی روڈ، مریدکے	۔	نوائے وقت
27اکتوبر	واحدکوہلی	مرد	--	---		پھندالےکر	گھپروضلع سانگھڑ	--	کاوش

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
27اکتوبر	صابر علی	مرد	18برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بہاولپور، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
27اکتوبر	ز	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	شاہ صدردین، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
27اکتوبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	احمد پورشرقیہ	۔	خبریں ملتان
27اکتوبر	عنبرین	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	وارڈ3، چوک اعظم	۔	خبریں ملتان
28اکتوبر	اقبال بلوچ	مرد	۔	۔	۔	۔	شاہ جمال، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
28اکتوبر	مائی بچائی	خاتون	۔	۔	۔	۔	شاہ جمال، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
28اکتوبر	نسرین بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	’’چک 189ای بی، گگومنڈی	۔	نوائے وقت
28اکتوبر	برکت علی	مرد	33برس	شادی شدہ	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوگولی مارکر	گوٹھ رسول بخش چانڈیو ضلع شکارپور	۔۔	کاوش
28اکتوبر	ارسلان	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سانگلہ ہل	۔	جنگ
28اکتوبر	منجی	مرد	62برس	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	نہرمیں کودکر	شادی لارج ٹنڈوباگو ضلع بدین	۔۔	کاوش
29اکتوبر	علی احمد	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	قائدملت کالونی	۔	نئی بات
29اکتوبر	اقراء	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جنڈووالا، چونیاں	۔	نئی بات
29اکتوبر	شکیلہ	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جنڈووالا، چونیاں	۔	نئی بات
29اکتوبر	رشید مگسی	مرد	35برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	گوٹھ کامل مگسی ضلع سانگھڑ	۔۔	کاوش
29اکتوبر	محمد اسلم عمرانی	مرد	28س	۔۔۔	۔	نہرمیں کودکر	ماروی ٹاؤن ضلع حیدرآباد	۔۔	کاوش
29اکتوبر	ہزرخان	مرد	32بر	شادی شدہ	ذہنی معذوری	خودکوگولی مارکر	اٹک	۔	دی نیوز
29اکتوبر	مدیحہ بی بی	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	۔	خودکوجلاکر	گاؤں جالالیاں	۔	دی نیوز
29اکتوبر	جاوید طارق	مرد	26برس	۔	بیروزگاری سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندالے کر	کوٹ لکھپت، لاہور	۔	نوائے وقت
29اکتوبر	نجمہ بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	زہرخورانی	جڑانوالہ	۔	نوائے وقت
29اکتوبر	ظہیرعباس	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	کوٹ مومن	۔	جنگ
29اکتوبر	صباء بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کوٹ مومن	۔	جنگ
29اکتوبر	غلام حسن	مرد	65برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	چک7، دلےوالا	۔	جنگ
29اکتوبر	ظہیرعباس	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھنداڈال کر	بچہ کلاں، سرگودھا	درج	جنگ ملتان
29اکتوبر	مختاراں بی بی	خاتون	55برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خورشید کالونی، میاں چنوں	۔	جنگ ملتان
30اکتوبر	فاطمہ	خاتون	۔	شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	کنجاہ منگوال، گجرات	۔	جنگ
30اکتوبر	ادریس	مرد	25برس	شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	کنجاہ منگوال، گجرات	۔	جنگ
30اکتوبر	بلال	مرد	24برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چھنی رحیم شاہ، پھالیہ	۔	جنگ
30اکتوبر	نشاط بی بی	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	مترو	۔	جنگ
30اکتوبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جناح کالونی، مترو	۔	جنگ
30اکتوبر	پرتاب بھیل	بچہ	13برس	۔۔۔	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	شادی لارج ۔ٹنڈوباگو ضلع بدین	۔۔	کاوش
30اکتوبر	پیارعلی	مرد	20برس	۔۔۔	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ خیرومشوری۔شہدادپور ضلع سانگھڑ	۔۔	کاوش
31اکتوبر	علی محمد	مرد	۔۔	۔۔۔	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	گوٹھ عالم کھوسو	۔۔	عوام آواز
31اکتوبر	میرمحمد چانڈیو	مرد	35برس	۔۔۔	ذہنی معذوری	بجلی کے تار سے چھوکر	قاضی احمد ضلع نواب شاہ	۔۔	عوامی آواز
31اکتوبر	حیدرعلی	مرد	18	غیرشادی شدہ	۔	پھندالے کر	شفیق آباد	۔	ایکسپریس
31اکتوبر	زبیراحمد	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	کوٹ مومن، سرگودھا	۔	ایکسپریس
31اکتوبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	سرگودھا	۔	ایکسپریس
31اکتوبر	صائمہ	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	فیصل آباد	۔	جنگ
31اکتوبر	شازیہ	خاتون	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک جھمرہ، فیصل آباد	۔	جنگ
31اکتوبر	آصف علی	مرد	27برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	صادق آباد	۔	جنگ

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
31اکتوبر	نصرت	خاتون	40برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
31اکتوبر	ادریس	مرد	25س	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
31اکتوبر	شازیہ	خاتون	24برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	ایکسپریس
31اکتوبر	ثمینہ	خاتون	27برس	۔	۔	۔	صادق آباد	۔	خبریں ملتان
31اکتوبر	بتول فاطمہ	خاتون	۔	۔	۔	۔	بدھلہ سنت، رحیم یارخان	۔	جنگ ملتان
31اکتوبر	مہوش	خاتون	۔	۔	۔	۔	مظفرگڑھ	درج	جنگ ملتان
1نومبر	رشیداں	خاتون	40برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ ہوت چرواں۔جھڈوضلع میرپورخاص	ــ	عوام آواز
1نومبر	رشید کنبھر	مرد	45برس	شادی شدہ	قرض کیوجہ	نہرمیں کودکر	ضلع سانگھڑ	ــ	عوام آواز
2نومبر	کرم اللہ ڈاھانی	مرد	20برس	ـــ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	تنگوانی ضلع کشمور	ــ	کاوش
2نومبر	جمنا کولہی	خاتون	20برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	ببن۔ھوسڑی ضلع حیدرآباد	ــ	کاوش
2نومبر	بشریٰ بی بی	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
2نومبر	حماد مشتاق	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
03نومبر	خالد محمود	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مدینہ کالونی، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
03نومبر	خالد سعید	مرد	25برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
03نومبر	جویریہ سدرہ	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	سکنہ چوکیواہ، تونسہ شریف	درج	خبریں ملتان
03نومبر	حلیمہ مائی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	گل گجوجی، ڈیرہ غازیخان	درج	خبریں ملتان
03نومبر	۔	خاتون	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چشتیاں	۔	نوائے وقت
03نومبر	ذوالفقارعلی	مرد	50برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	میانوالی	۔	پاکستان ٹوڈے
03نومبر	۔	خاتون	25برس	شادی شدہ	۔	نہرمیں کودکر	غازی بروکھا کنال	۔	پاکستان ٹوڈے
03نومبر	اللہ وسایا	مرد	۔	۔	۔	خودکوگولی مارکر	ملتان	۔	جنگ
3نومبر	مرتضیٰ چنو	مرد	22برس	ـــ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	دوڑضلع نواب شاہ	ــ	کاوش
4نومبر	فوزیہ	خاتون	26برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	ڈیرہ غازیخان	۔	جنگ
4نومبر	اسامہ	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخرانی	تاج گڑھ، رحیم یارخان	۔	جنگ
4نومبر	ریما فرحان	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	زہرخورانی	رشید پارک، فیصل آباد	۔	ڈان
4نومبر	راموں کولہی	خاتون	20برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ احمد خان بھڑگڑی ضلع میرپورخاص	ــ	کاوش
4نومبر	اسامہ	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	تاج گڑھ، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
4نومبر	رخسانہ بی بی	خاتون	25برس	شادی شدہ	۔	۔	تھلی چوک، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
5نومبر	شبانہ	خاتون	18برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بستی ملوک، ملتان	درج	جنگ ملتان
5نومبر	ظفر	مرد	26برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	صادق آباد، رحیم یارخان	۔	جنگ ملتان
05نومبر	مہران مقصود	مرد	23برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	ایکسپریس
05نومبر	رضیہ صدیقی	خاتون	50برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	شاہ کوٹ، فیصل آباد	۔	ایکسپریس
05نومبر	عدیل	مرد	17برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	ایکسپریس
5نومبر	غلام نبی تنیو	مرد	ــ	غیرشادی شدہ	شادی نہ کروانے کیوجہ	خودکوگولی مارکر	تنیو محلّہ۔میروخان ضلع	درج	کاوش
5نومبر	آصف رستمانی	مرد	ــ	ـــ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	جوہی ضلع دادو	درج	عوامی آواز
5نومبر	تالو میگھواڑ	خاتون	22برس	شادی شدہ	۔	کنوئیں میں کودکر	گوٹھ سورام۔مٹھی ضلع تھرپارکر	ــ	کاوش اخبار
06نومبر	۔	مرد	35برس	۔	۔	۔	شیخوپورہ	۔	جنگ
06نومبر	عمر	مرد	20برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مریدکے	۔	جنگ
06نومبر	عابد حسین	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فاروق آباد	۔	جنگ
06نومبر	علی	مرد	25برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مبارک آباد، مریدکے	۔	جنگ

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
06نومبر	خلیل	مرد	20برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بہارآباد، مریدکے	۔	نوائے وقت
07نومبر	عمبرین بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	نظام آباد، بہاولپور	۔	دی نیوز
07نومبر	موج علی	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	بہاولپور	۔	دی نیوز
07نومبر	مقصوؤ	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
07نومبر	۔	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کراچی	۔	ڈان
07نومبر	موج علی	مرد	۔	۔	۔	خودکوجلاکر	چک ایف 76، حاصل پور	۔	خبریں ملتان
07نومبر	عرفان	مرد	23برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصبہ بصیرہ، مظفرگڑھ	۔	خبریں ملتان
7نومبر	اکرم	مرد	20برس	---	۔	پھندالے کر	تھانہ بولا خان ضلع جامشورو	--	عوامی آواز
8نومبر	نوید	مرد	25برس	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
8نومبر	حیدرعلی	مرد	20برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
8نومبر	حیات	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	۔	پھندالے کر	جوہرآباد	۔	نوائے وقت
8نومبر	طفیل	مرد	62برس	شادی شدہ	ذہنی معذوری	خودکوزخمی کرکے	قصور	۔	نوائے وقت
8نومبر	۔	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	نہرمیں کودکر	ساہیوال	۔	نوائے وقت
8نومبر	احمد بخش	مرد	24برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خانپور، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
9نومبر	کویتا میگھواڑ	خاتون	30س	شادی شدہ	ذہنی معذوری	پھندالے کر	گوٹھ جبارخان مری۔ پیرونمل ضلع سانگھڑ	--	کاوش
9نومبر	عبدالوہاب سریوال	مرد	23برس	غیرشادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	ٹرین تلے آکر	گوٹھ علی خان سریوال۔شہدادپور ضلع سانگھڑ	--	کاوش
9نومبر	ابن حسین	مرد	مرد	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	چھت سے کودکر	فیصل آباد	۔	نوائے وقت
9نومبر	وقار	مرد	23برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	جکھر محلّہ جنڈی، قصور	۔	نوائے وقت
9نومبر	مشتاق احمد	مرد	20برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	کوٹ راداکشن، قصور	۔	نوائے وقت
9نومبر	پروین	خاتون	خاتون	شادی شدہ	۔	زہرخورانی	کوٹ عبدالمالک، لاہور	۔	نوائے وقت
10نومبر	اللہ رکھا	مرد	35برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سمینہ غزلی، دراہمہ، ڈیرہ غازی خان	درج	خبریں ملتان
10نومبر	خورشید بی بی	خاتون	26برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	صادق آباد، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
10نومبر	امام بخش	۔	۔	۔	۔	۔	راجہ رام، ملتان	۔	خبریں ملتان
10نومبر	ڈیووکولہی	خاتون	30برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	کنری ضلع عمرکوٹ	۔	کاوش
10نومبر	کانجی کولہی	مرد	30برس	---	۔	پھندالے کر	ٹنڈوجام ضلع حیدرآباد	--	کاوش
10نومبر	سکندرخاصخیلی	مرد	--	---	ذہنی معذوری	خودکوگولی مارکر	قاضی احمد ضلع دادو	--	عوام آواز
10نومبر	حبیب	مرد	25برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکوگولی مارکر	۔	۔	جنگ
11نومبر	عبدالمجید سولنگی	مرد	50برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلّہ آدم سولنگی ضلع دادو	--	کاوش
11نومبر	نجم الحسن	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	کٹھیالہ شیخاں، سیالکوٹ	۔	جنگ
11نومبر	صائمہ	خاتون	25برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
12نومبر	عظمیٰ	خاتون	24برس	شادی شدہ	۔	زہرخورانی	صادق آباد، رحیم یارخان	۔	جنگ ملتان
12نومبر	افضل نوناری	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	محراب پور، نوشہروفیروز	۔	دنیا
12نومبر	عظمیٰ بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	صادق آباد	۔	دنیا
12نومبر	خالدہ	خاتون	24برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	سنجاوی	۔	دنیا
12نومبر	۔	مرد	55برس	شادی شدہ	۔	۔	مچن خیل، لورالائی	۔	دنیا
12نومبر	سیف اللہ	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	۔	پھندالے کر	گلستان جوہر، کراچی	۔	دنیا
12نومبر	کوثر بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوجلاکر	مہدی پور، حاجی بلاک، ملتان	۔	ملتان
13نومبر	شلہ ڈھنگانہ	مرد	۔	شادی شدہ	زہرخورانی	پھندالے کر	غلام فرید ڈھنگانہ، قصبہ کالا	۔	خبریں ملتان
13نومبر	بشیراں	بچی	12برس	---	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	گوٹھ چوکی قبوسعید خان ضلع لاڑکانہ	--	کاوش

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
13نومبر	عارفہ	خاتون	--	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	شہمیر پنہور کالونی ضلع سانگھڑ	--	عوام آواز
13نومبر	مسمات ہیراں پتافی	خاتون	22برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گوٹھ لعل پتافی۔میر پور ماتھیلو ضلع گھوٹکی	--	کاوش
13نومبر	ـ	خاتون	22برس	غیر شادی شدہ	ـ	خود کو گولی مار کر	نوشہرہ	ـ	دی نیوز
13نومبر	شازیہ بی بی	خاتون	ـ	شادی شدہ	ـ	پھندا لے کر	حکیم آباد، نوشہرہ	ـ	دی نیوز
14نومبر	لعل خان	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	کوٹ ادو، رحیم یار خان	ـ	خبریں ملتان
14نومبر	شہناز بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	کہروڑ پکا، رحیم یار خان	ـ	خبریں ملتان
14نومبر	فاروق	مرد	ـ	شادی شدہ	ـ	ـ	گوجرانوالہ	ـ	نئی بات
14نومبر	شکیلہ	خاتون	ـ	شادی شدہ	ـ	پھندا لے کر	ذوالفقار کالونی، فیصل آباد	ـ	جنگ
14نومبر	علی رضا	مرد	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	فیصل آباد	ـ	جنگ
14نومبر	شاہدہ پروین	خاتون	25برس	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں پنجہ، جوہر آباد	ـ	جنگ
14نومبر	بسنی بی بی	خاتون	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	وارث پورہ، بٹالہ کالونی	ـ	جنگ
14نومبر	مزمل	مرد	32برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	کوٹ ادو	ـ	دنیا
14نومبر	آسیہ بی بی	خاتون	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	کہروڑ پکا، تونسہ موڑ	ـ	دنیا
14نومبر	بشیر	مرد	70برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	ساہیوال	ـ	نوائے وقت
15نومبر	دلشاد احمد	مرد	24برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	صادق آباد	ـ	جنگ
	تصور	مرد	21برس	ـ	ـ	زہر خورانی	نشتر کالونی، گجومتہ، لاہور	ـ	دی نیوز
15نومبر	عائشہ	خاتون	29برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	نیلم بلاک، اقبال ٹاؤن	ـ	نوائے وقت
15نومبر	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	فیصل آباد	ـ	نوائے وقت
15نومبر	اورنگزیب	مرد	30برس	شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	ذوالفقار کالونی، فیصل آباد	ـ	نوائے وقت
15نومبر	سترام داس میگھواڑ	مرد	ـ	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہو کر	پھندا لے کر	سودر محلہ۔چھاچھرو ضلع عمر کوٹ	--	کاوش
15نومبر	کوڑل منگریو	مرد	46برس	---	ـ	نہر میں کود کر	گوٹھ سانول منگریو۔کنڈیارو ضلع نوشہرو فیروز	--	کاوش
16نومبر	زیتون مائی	خاتون	30برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	خان پور، رحیم یار خان	ـ	خبریں ملتان
16نومبر	نازیہ بی بی	خاتون	17برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 30پی، رحیم یار خان	ـ	خبریں ملتان
16نومبر	جاوید مسیح	مرد	ـ	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	گرین ٹاؤن، باگڑیاں، لاہور	ـ	کائنات
16نومبر	آسیہ	خاتون	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	منڈی احمد آباد، اوکاڑہ	ـ	کائنات
16نومبر	فہیم	مرد	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	ڈیفنس، لاہور	ـ	ایکسپریس
16نومبر	ـ	مرد	25برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	لاہور	ـ	نوائے وقت
17نومبر	سلمٰی	خاتون	43برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	والٹن، لاہور	ـ	نوائے وقت
17نومبر	ثناء	خاتون	ـ	ـ	ـ	پھندا لے کر	فیروز والا، شیخوپورہ	ـ	نوائے وقت
17نومبر	عدنان	مرد	ـ	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	سرائے مہاجر	ـ	جنگ
17نومبر	نازیہ بی بی	خاتون	17برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	،	رحیم یار خان	ـ	جنگ
17نومبر	انور	مرد	ـ	ـ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	رحیم یار خان	ـ	دنیا
18نومبر	مصباح	خاتون	18برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	چک 82پی ٹی، رحیم یار خان	ـ	دنیا
18نومبر	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	خانواہ	ـ	دنیا
18نومبر	پاروتی کولھی	خاتون	16برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	گوٹھ پہچان موری۔کوٹ غلام محمد ضلع میر پور خاص	--	کاوش
19نومبر	گلشن	خاتون	20برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	قصور	ـ	جنگ
19نومبر	ساحل خان	مرد	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	تھانہ کھوسہ بٹھل	ـ	دنیا
19نومبر	جاوید احمد	مرد	23برس	شادی شدہ	ـ	پھندا لے کر	نوناری	ـ	دنیا

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
19نومبر	یعقوب	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سردارگڑھ	۔	دنیا
19نومبر	شیراز	مرد	35برس	شادی شدہ	گھریلو پریشانی	خودکوگولی مارکر	محمود آباد	۔	دنیا
19نومبر	کانجی کوہلی	مرد	24برس	---	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	شیخ پھرکیو ضلع ٹنڈو محمد خان	--	کاوش
19نومبر	خوشحال مرہیو	مرد	25برس	غیرشادی شدہ	شادی نہ ہونے کیوجہ	خودکوگولی مارکر	باہوکھوسو ضلع جیکب آباد	--	عوام آواز
19نومبر	شاہل علی	مرد	20برس	---	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ درگاہی جکھرانی ضلع جیکب آباد	--	کاوش
20نومبر	کوڑومنگریو	مرد	47برس	---	۔	نہر میں کودکر	گوٹھ سانول منگریو ضلع نوشہروفیروز	--	کاوش
20نومبر	کبیربخش	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	فورٹ عباس	۔	نئی بات
20نومبر	محمد شیراز	مرد	35برس	غیرشادی شدہ	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوگولی مارکر	محمود آباد، فیصل آباد	۔	دنیا
20نومبر	اسماعیل	مرد	65برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ساہیوال	۔	دنیا
20نومبر	نسرین	خاتون	30برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چیچہ وطنی	۔	دنیا
20نومبر	خالد عباس	مرد	32برس	غیرشادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوگولی مارکر	گاؤں کھنیا غازی، شیخوپورہ	۔	نوائے وقت
21نومبر	مسمات شبیراں	خاتون	--	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ حضور بخش مغیری ضلع جیکب آباد	--	کاوش
21نومبر	علی محمد منگریو	مرد	---	---	۔	خودکوگولی مارکر	گوٹھ کرڑی۔خانپور مہر ضلع	--	عوامی آواز
21نومبر	حیدرآباد	مرد	38برس	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	مانگامنڈی، لاہور	۔	جنگ
21نومبر	سدرہ	خاتون	22برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	شفیق آباد، لاہور	۔	جنگ
21نومبر	محسن علی	مرد	28برس	غیرشادی شدہ	۔	۔	باٹاپور، لاہور	۔	جنگ
21نومبر	شمشاد بی بی	خاتون	45برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	باغبانپورہ، لاہور	۔	جنگ
21نومبر	علی	مرد	27برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ماچھی گوٹھ، صادق آباد	۔	جنگ
21نومبر	عاشق علی	مرد	27برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ماچھی گوٹھ، صادق آباد	۔	خبریں ملتان
22نومبر	جاوید مسیح	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رسولپور پھاٹک، قصور	۔	جنگ
22نومبر	افضال احمد	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	حفیظ آباد	۔	جنگ
22نومبر	نازیہ بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع کمال، اوکاڑہ	۔	جنگ
22نومبر	ابرار	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ساہیوال	۔	س
22نومبر	مزاری لہر	مرد	25برس	---	۔	خودکوگولی مارکر	گوٹھ سارنگ لہر، جہانپور	--	عوامی آواز
22نومبر	فاطمہ	خاتون	21برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	راجن پور، رحیم یارخان	۔	خبریں ملتان
23نومبر	سبز علی حاجانو	مرد	30برس	---	۔	زہرخورانی	ضلع خیرپور	--	کاوش
23نومبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوجلاکر	میاں چنوں	۔	جنگ
23نومبر	احمد علی	مرد	45برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	کراچی	۔	پاکستان ٹوڈے
23نومبر	ہادی بخش	مرد	22برس	---	۔	پھندالےکر	گوٹھ گلاب میرجت۔ٹنڈوجام ضلع حیدرآباد	--	کاوش
23نومبر	عبدالواحد	مرد	۔	۔	۔	۔	اورنگی ٹاؤن، کراچ	۔	نوائے وقت
23نومبر	۔	مرد	۔	۔	۔	خودکوگولی مارکر	سٹیل ٹاؤن، کراچی	۔	نوائے وقت
23نومبر	محمد شریف	مرد	80برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکوجلاکر	نشتر کالونی، کراچی	۔	دی نیوز
23نومبر	سعید	مرد	28برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	صادق آباد	۔	خبریں ملتان
24نومبر	ام صدیقی	مرد	42برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	دی نیوز
24نومبر	ماریہ بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پھولنگر، فیصل آباد	۔	نوائے وقت
24نومبر	نسیم بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	احمدیار	۔	جنگ
24نومبر	سویرہ	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	۔	پھندالےکر	بہاولنگر	۔	ڈان
25نومبر	کمی کوہلی	بچی	11برس	---	ذہنی معذوری	پھندالےکر	ڈانو داندل۔ننگرپارکر ضلع تھرپارکر	--	کاوش

اقدام خودکشی

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
24اکتوبر	نوشبہ	خاتون	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	عالیہ	خاتون	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	صائمہ	خاتون	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	بالی مائی	خاتون	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	حمزہ	مرد	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	زاہد	مرد	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	دانش	مرد	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	اکمل	مرد	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	غلام فرید	مرد	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
24اکتوبر	طیب	مرد	22برس	غیر شادی شدہ	-	دریا میں کود کر	سگیاں پل، لاہور	-	نئی بات
27اکتوبر	زینب	خاتون	40برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو جلا کر	ننکانہ صاحب	-	جنگ
27اکتوبر	شورام	مرد	--	---	-	زہر خورانی	ٹنڈو قیصر ضلع حیدرآباد	--	کاوش
27اکتوبر	کچھمن کوہلی	مرد	26برس	---	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گوٹھ حاجی بچل لغاری ضلع میرپورخاص	--	کاوش
27اکتوبر	نیاز بلوچ	مرد	20برس	---	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ	--	عوامی آواز
27اکتوبر	پریم	مرد	--	---	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ	--	عوامی آواز
27اکتوبر	فرید خالق	مرد	17برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑوں سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	کامونکی	-	جنگ
27اکتوبر	رابعہ بی بی	خاتون	-	غیر شادی شدہ	-	-	رحیم یار خان	-	جنگ
27اکتوبر	منزہ بی بی	خاتون	-	غیر شادی شدہ	-	-	رحیم یار خان	-	جنگ
27اکتوبر	عاطف آصف	مرد	-	غیر شادی شدہ	-	-	رحیم یار خان	-	جنگ
27اکتوبر	امتیاز احمد	مرد	-	غیر شادی شدہ	-	-	رحیم یار خان	-	جنگ
27اکتوبر	سکندر علی	مرد	-	غیر شادی شدہ	-	-	رحیم یار خان	-	جنگ
27اکتوبر	مبارک علی	مرد	33برس	غیر شادی شدہ	-	خود کو جلا کر	-	-	جنگ
29اکتوبر	خان محمد چانگ	مرد	30برس	---	-	زہر خورانی	کڑیو گھنور ضلع بدین	--	کاوش
31اکتوبر	شبانہ	خاتون	-	-	-	-	صادق آباد	-	جنگ
31اکتوبر	نمرہ	خاتون	-	-	-	-	صادق آباد	-	جنگ
31اکتوبر	آسیہ	خاتون	-	-	-	-	صادق آباد	-	جنگ
31اکتوبر	ثنا	خاتون	-	-	-	-	صادق آباد	-	جنگ
کیم نومبر	منشاء	خاتون	-	غیر شادی شدہ	-	خود کو جلا کر	عبدالحکیم	-	جنگ
3نومبر	رمضان درس	مرد	45برس	--	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	کھپرو ضلع سانگھڑ	--	عومی آواز
2نومبر	موج علی	مرد	35برس	شادی شدہ	قرض دینے پر دلبرداشتہ	خود کو جلا کر	حاصل پور، فیصل آباد	-	نوائے وقت
2نومبر	عابد علی	مرد	25برس	شادی شدہ	-	-	میرپور ماتھیلو	-	خبریں ملتان
2نومبر	امان اللہ	مرد	25برس	شادی شدہ	-	-	نورے والی، رحیم یار خان	-	خبریں ملتان
3نومبر	سرمد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خود کو گولی مار کر	چک 4، راصدیوالی	-	پاکستان ٹوڈے
3نومبر	جمیلہ بی بی	خاتون	45برس	شادی شدہ	-	-	کوٹ سمابہ، رحیم یار خان	-	خبریں ملتان
3نومبر	جلال احمد	مرد	24برس	شادی شدہ	-	-	چک 87، رحیم یار خان	-	خبریں ملتان
4نومبر	روبینہ سولنگی	خاتون	--	---	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گوٹھ صوفن شاہ۔ ڈگری ضلع عمرکوٹ	--	کاوش
4نومبر	-	خاتون	-	-	-	-	لاہور	-	جنگ
4نومبر	رخسانہ	خاتون	25برس	غیر شادی شدہ	-	-	رحیم یار خان	-	جنگ

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
4نومبر	-	مرد	-	-	-	-	اسلام آباد	-	ڈان
5نومبر	-	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ڈسکہ	-	نئی بات
5نومبر	کاشف علی	مرد	17برس	غیرشادی شدہ	-	-	صادق آباد، رحیم یارخان	-	جنگ ملتان
6نومبر	کرشن کولہی	مرد	--	---	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ امتیاز۔ سامارو ضلع عمرکوٹ	--	عوام آواز
6نومبر	عاصمہ بی بی	خاتون	18برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع مہارشریف، چشتیاں	-	خبریں ملتان
6نومبر	امبرین	خاتون	--	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خیرپور ناتھن شاہ ضلع دادو	--	کاوش
7نومبر	جیٹھی بھیل	خاتون	--	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ پناہ دل۔ ڈگری ضلع میرپورخاص	--	کاوش
7نومبر	صوبیہ جٹ	خاتون	20برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نوں دمبالو ضلع بدین	--	کاوش
7نومبر	عاصمہ بی بی	خاتون	18برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مہارشریف، چشتیاں	-	نئی بات
7نومبر	محمد امیر	مرد	-	-	-	زہرخورانی	بہادرپور	-	نئی بات
7نومبر	-	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پنڈی بھٹیاں	-	نئی بات
08نومبر	رضوانہ	خاتون	18برس	شادی شدہ	-	-	ظفرآباد کالونی، رحیم یارخان	-	جنگ ملتان
08نومبر	عثمان	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	-	-	رحیم یارخان	-	جنگ ملتان
08نومبر	برکت علی	مرد	20برس	شادی شدہ	-	-	فیروزہ، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
08نومبر	سیتارام	مرد	25برس	شادی شدہ	-	-	روشن بھیٹ، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
08نومبر	ہراری جی	مرد	30برس	شادی شدہ	-	-	رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
08نومبر	خان آصف	مرد	60برس	-	-	-	رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
09نومبر	رابعہ بی بی	خاتون	18برس	شادی شدہ	-	-	بہادرپور، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10نومبر	مصباح	خاتون	18برس	شادی شدہ	-	-	چک28پی، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10نومبر	شمائلہ بی بی	خاتون	20برس	شادی شدہ	-	-	وائرلیس پل، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10نومبر	غلام فرید	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	-	-	عباسیہ ٹاؤن، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10نومبر	یامین رحمان	مرد	21برس	غیرشادی شدہ	-	-	ماچھی گوٹھ، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10نومبر	عاشق	مرد	27برس	شادی شدہ	-	-	ماچھی گوٹھ، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10نومبر	کائنات	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ مشائخ۔ ٹنڈوآدم ضلع سانگھڑ	--	کاوش
10نومبر	عابد علی	مرد	--	---	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹیانگر۔ تھانہ بولاخان ضلع جامشورو	--	کاوش
10نومبر	کرشن میگھواڑ	مرد	26برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ جلال۔ ڈگری ضلع میرپورخاص	--	عوام آواز
10نومبر	ستاخاتون	خاتون	--	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مستوئی محلہ ضلع قمبر شہدادکوٹ	--	عوامی آواز
11نومبر	حماد	مرد	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	سیالکوٹ	-	جنگ
12نومبر	ہروبیہ بھیل	خاتون	--	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جام نوازعلی ضلع سانگھڑ	--	کاوش
12نومبر	-	خاتون	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ڈسکہ	-	نوائے وقت
12نومبر	خان محمد	مرد	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خان بیلہ	-	دنیا
12نومبر	آصف	مرد	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	لکڑمنڈی، جڑانوالہ	-	دنیا
12نومبر	فاطمہ	خاتون	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوجرانوالہ	-	دنیا
12نومبر	نصرت	خاتون	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوجرانوالہ	-	دی نیوز
13نومبر	ناصر	مرد	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ڈسکہ	-	دی نیوز
13نومبر	-	خاتون	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بیراچند	-	نئی بات
13نومبر	علی حسن	مرد	--	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	شہمیر پنھور کالونی ضلع سانگھڑ	--	عوام آواز
14نومبر	رابعہ	خاتون	--	شادی شدہ	تنخواہ نہ ملنے کیوجہ	زہرخورانی	چمبڑ ضلع ٹنڈوالہیار	--	کاوش
14نومبر	احسان علی	مرد	-	غیرشادی شدہ	-	-	تونسہ موڑ، کہروڑپکا	-	دنیا
14نومبر	اظہرعلی	مرد	-	غیرشادی شدہ	-	-	تونسہ موڑ، کہروڑپکا	-	دنیا

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
14نومبر	غلام محی الدین	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	تونسہ موڑ، کہروڑپکا	ـ	دنیا
14نومبر	محمد گلاب	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	تونسہ موڑ، کہروڑپکا	ـ	دنیا
14نومبر	سنگیتا مائی	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	تونسہ موڑ، کہروڑپکا	ـ	دنیا
15نومبر	پروین	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رحیم یارخان	ـ	جنگ
15نومبر	شاہجان	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رحیم یارخان	ـ	جنگ
15نومبر	علی اکرم	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رحیم یارخان	ـ	جنگ
15نومبر	رضوانہ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خود کو جلا کر	گوجرانوالہ	ـ	دنیا
15نومبر	بڑی میگھواڑ	خاتون	--	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	سودار محلّہ۔ چھاچھرو ضلع عمرکوٹ	--	کاوش
15نومبر	نسیم اختر	خاتون	40برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹنڈوآدم ضلع سانگھڑ	--	کاوش
16نومبر	جمن	مرد	20برس	---	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	گوٹھ قادربخش ساندانی ضلع ٹھٹھہ	--	کاوش
16نومبر	بشریٰ بی بی	مرد	55برس	شادی شدہ	ـ	ـ	کوٹ سحابہ، رحیم یارخان	ـ	خبریں ملتان
16نومبر	غلام شبیر شر	مرد	--	---	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ مینوروچھو ضلع سانگھڑ	--	عوام آواز
16نومبر	عرفان علی	مرد	27برس	شادی شدہ			چرچ روڈ، رحیم یارخان	ـ	خبریں ملتان
16نومبر	بلو	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	چک عباس، رحیم یارخان	ـ	خبریں ملتان
17نومبر	نادیہ بی بی	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رحیم یارخان	ـ	جنگ
17نومبر	تہمینہ بی بی	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رحیم یارخان	ـ	جنگ
17نومبر	محمد اقبال	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رحیم یارخان	ـ	جنگ
17نومبر	غلام نبی	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رحیم یارخان	ـ	جنگ
19نومبر	شازیہ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	رکن پور، لاہور	ـ	دنیا
19نومبر	ماجد علی	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	میو مبارک، لاہور	ـ	دنیا
19نومبر	شکیل احمد	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	مرتضٰی آباد	ـ	دنیا
19نومبر	سخی بخش	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	عباسیہ ٹاؤن	ـ	دنیا
19نومبر	سدرہ	خاتون	25برس	شادی شدہ	ـ	زہرخورانی	بھائی والا، لاہور	ـ	دنیا
19نومبر	فاخر	مرد	20برس	غیرشادی شدہ	ـ	زہرخورانی	نشاط آباد	ـ	دنیا
21نومبر	ـ	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	قصور	ـ	دی نیوز
21نومبر	ـ	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	قصور	ـ	دی نیوز
21نومبر	نجمہ بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	لاہور	ـ	جنگ
21نومبر	ثمینہ بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	لاہور	ـ	جنگ
21نومبر	شہناز بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	لاہور	ـ	جنگ
21نومبر	اقبال	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	لاہور	ـ	جنگ
21نومبر	اطہر الٰہی	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	لاہور	ـ	جنگ
21نومبر	شعیب سومرو	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	بہاولپور	ـ	جنگ
22نومبر	امام الدین شیخ	بچہ	14برس	---	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ امام شیخ ضلع لاڑکانہ	--	عوام آواز
23نومبر	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ملتان	ـ	ایکسپریس
23نومبر	وسیم عباس	مرد	ـ	شادی شدہ	ـ	ـ	گوجرہ	ـ	نوائے وقت
23نومبر	محمد ایوب	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پیر محل	ـ	نوائے وقت
23نومبر	ثانیہ	خاتون	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 24بی۔فیصل آباد	ـ	دی نیوز
23نومبر	ام رمضان	مرد	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	ـ	دی نیوز
24نومبر	کمال برفت	مرد	30برس	---	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کرجات۔ تھانہ بولا خان ضلع جام شورو	--	کاوش
24نومبر	لعل خان	مرد	22برس	ـ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	ـ	کروڑ لعل عیسن	ـ	دنیا

تعلیم

زرعی ٹریننگ انسٹیٹیوٹ پر دہشت گردوں کا حملہ، 9افراد ہلاک

پشاور پشاور میں زرعی ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کے ہاسٹل پر مسلح دہشت گردوں کے حملے میں 9افراد ہلاک اور 35 زخمی ہوگئے۔ حملے کے فوری بعد پاک فوج، فرنٹیئر کورپس (ایف سی) اور پولیس اہلکاروں نے علاقے کا محاصرہ کرتے ہوئے دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کا آغاز کیا۔ پولیس ذرائع کے مطابق حملہ آوروں نے پشاور کی زرعی یونیورسٹی کے سامنے ڈائریکٹوریٹ جنرل ایگریکلچرل ریسرچ سینٹر کی عمارت پر حملہ کیا تھا جس کے بعد پولیس کی بھاری نفری فوری طور پر جائے وقوع پر پہنچی۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کے مطابق حملے میں ملوث تینوں دہشت گردوں کو ہلاک کردیا گیا ہے جبکہ ڈائریکٹوریٹ میں کلیئرنس آپریشن بھی مکمل کرلیا گیا۔ آئی ایس پی آر کا کہنا تھا کہ آپریشن کے دوران ان کے دو فوجی جوان زخمی بھی ہوئے تھے جنہیں سی ایم ایچ ہسپتال پشاور منتقل کردیا گیا۔ آئی ایس پی آر کے جاری بیان کے مطابق شر پسند افغانستان میں اپنی قیادت کے ساتھ روابطے میں تھے۔ ڈان نیوز کی رپورٹ کے مطابق دہشت گردوں نے برقع پہن رکھا تھا اور وہ زرعی ڈائریکٹریٹ میں داخل ہوئے جبکہ پولیس کا کہنا تھا کہ برآمد ہونے والے ہتھیاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ حملے میں ہلاک ہونے والے دہشت گردوں کے پاس سے 3 خودکش جیکٹس، 8 دستی، 2 آئی ای ڈیز بم، متعدد کلاشنکوف کے علاوہ دیگر دہشت گردی کا سامان برآمد کیا گیا۔ پولیس حکام کے مطابق خیبر ٹیچنگ ہسپتال میں 16 زخمیوں کو لایا گیا تھا جن میں سے 3 زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہوگئے۔ دوسری جانب حیات آباد میڈیکل کمپلیکس کے ڈائریکٹر شہزادا اکبر کا کہنا تھا کہ ہسپتال میں 6 لاشیں اور 18 زخمیوں کو لایا گیا ہے۔ حکام کے مطابق حملے میں یونیورسٹی کے چوکیدار اور طلبہ سمیت 9افراد ہلاک ہوئے۔ حملے کے عینی شاہد یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ڈان نیوز کو بتایا کہ عام دنوں میں ہاسٹل میں 400 کے قریب طالب علم موجود ہوتے ہیں لیکن آج عید میلا دالنبی کی چھٹی کی وجہ سے صرف 150 طالب علم ہاسٹل میں موجود تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب دہشت گرد ہاسٹل میں داخل ہوئے تو طالب علم انہیں دیکھ کر بھاگنے لگے جن میں سے کچھ دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بن کر زخمی ہوگئے جبکہ کچھ نے ہاسٹل کی کھڑکیوں سے چھلانگ لگا کر اپنی جان بچائی۔ حملے کے بعد ایگری کلچرل انسٹیٹیوٹ کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا، جس کے بعد انسٹیٹیوٹ کے طلبہ سامان لے کر گھروں کو روانہ ہوگئے۔ وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک زرعی ڈائریکٹوریٹ حملے میں زخمی ہونے والوں کی عیادت کے لیے خیبر ٹیچنگ ہسپتال کا دورہ کیا۔ انہوں نے واقعے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ دہشت گردوں کے ایک ساتھی کو زخمی حالت میں گرفتار کیا گیا ہے، جس سے تفتیش کی جارہی ہے۔ صوبائی پولیس کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ 'ہمیں ملک سے دہشت گردی کو ختم کرنا ہے، خیبر پختونخوا کی پولیس اب فورس بن چکی ہے جس کے بعد کئی دہشت گرد کارروائیاں روکی گئی ہیں۔' قبل ازیں پرویز خٹک کا ڈان نیوز سے بات کرتے ہوئے کہنا تھا کہ 'صوبے کی پولیس ایسے واقعات سے نمٹنے کے لیے ہمیشہ تیار ہے۔' ان کا کہنا تھا کہ یہ واقعہ اچانک پیش آیا جس کے بعد پولیس نے فوری طور پر جائے وقوع پر پہنچ کر معاملات پر قابو پالیا۔ خیبر پختونخوا کے گورنر ظفر اقبال جھگڑا نے ڈان نیوز سے بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ دہشت گرد بڑے حملے کے لیے تیاری کر کے آئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ آپریشن ردالفساد کے بعد سے دہشت گردی میں 80 فیصد کمی آئی ہے جبکہ دہشت گرد آسان ہدف کو نشانہ بنا کر اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ عوام کو ہوشیار رہنا چاہیے اور کسی بھی مشکوک شخص کی اطلاع فوری طور پر پولیس کو دینی چاہیے۔ پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے چیئر مین عمران خان نے سماجی رابطے کی ویب سائٹ ٹوئٹر پر پشاور حملے کی مذمت کرتے ہوئے بتایا کہ خیبر پختونخوا پولیس اور پاک فوج کی بروقت کارروائی نے ملک کو بڑے نقصان سے بچالیا۔ ان کا کہنا تھا کہ نئی خیبر پختونخوا کی پولیس فورس کے ریپڈ رسپونس یونٹ ایسے دہشت گردی کے واقعات سے بروقت نمٹنے کے لیے تیار ہیں۔ خیبر پختونخوا پولیس کے انسپکٹر جنرل (آئی جی) صلاح الدین محسود نے میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ آج کے واقعے میں 9افراد شہید ہوئے ہیں جن میں 6 طلبہ، ایک چوکیدار اور دو عام شہری ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حملے میں ایک پولیس افسر جبکہ فوج کے دو جوان بھی زخمی ہوئے، ان کا کہنا تھا کہ فورسز حملے کے بعد 5 منٹ میں جائے وقوع پر پہنچ چکی تھیں۔ خیال رہے کہ زرعی ڈائریکٹوریٹ پر حملے کی ذمہ داری تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) سوات گروپ نے قبول کرلی ہے۔ خیبر پختونخوا کے وزیر صحت شہرام ترکئی نے ڈان نیوز سے بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ زخمیوں کو تمام تر طبی سہولیات فراہم کی جارہی ہیں جبکہ ہم زیادہ سے زیادہ زخمیوں کی جانوں کو بچانے کی کوشش کررہے ہیں۔

خیبر پختونخوا اور فاٹا میں دہشتگردوں کے حملے

خیال رہے کہ رواں ہفتے 24 نومبر کو پشاور کے علاقے حیات آباد میں سیکیورٹی فورسز کی گاڑی کے قریب ہونے والے بم دھماکے میں ایڈیشنل انسپکٹر جنرل (آئی جی) پولیس ہیڈکوارٹر اشرف نور سمیت 2 افراد شہید ہوگئے تھے۔ یاد رہے کہ رواں سال 9 نومبر کو افغان سرحدی علاقے سے دہشت گردوں کی فاٹا میں خیبر ایجنسی کی وادی راجگال میں فائرنگ سے ایک فوجی جوان سپاہی محمد الیاس شہید ہوگیا تھا تاہم پاک فوج کی جانب سے دہشت گردوں کو بروقت اور بھرپور جواب دیا گیا جس میں 5 دہشت گرد ہلاک اور 4 زخمی ہوئے۔ 20 جنوری 2016 خیبر پختونخوا کے ضلع چارسدہ میں واقع باچا خان یونیورسٹی میں دہشت گردوں کے حملے میں کم از کم 20 افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوگئے تھے۔ اس سے قبل 16 دسمبر 2014 کو پشاور میں واقع آرمی پبلک اسکول پر کالعدم تحریک طالبان کے عسکریت پسندوں نے حملہ کر کے طلباء اور اساتذہ کو یرغمال بنالیا تھا۔ آرمی پبلک اسکول حملے میں 132 بچوں سمیت 141 افراد ہلاک جبکہ متعدد زخمی ہوئے تھے اور اس حملے کی ذمہ داری بھی تحریک طالبان پاکستان کی جانب سے قبول کی گئی تھی۔ 15 جون 2013 کو صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں بولان میڈیکل ہسپتال پر دہشت گردوں نے حملہ کیا تھا جس میں متعدد بم دھماکوں اور فائرنگ کے باعث 14 طالبات سمیت 22 افراد ہلاک ہوگئے تھے۔

نیشنل ایکشن پلان

خیال رہے کہ 16 دسمبر 2014 میں پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردوں کے حملے میں 145 سے زائد افراد کی اموات کے بعد حکومت نے تمام سیاسی جماعتوں کے اتفاق رائے سے ملک میں انسداد دہشت گردی کے خلاف اقدامات اٹھاتے ہوئے نیشنل ایکشن پلان کے نفاذ کا اعلان کیا گیا تھا۔ گزشتہ ماہ نیشنل ایکشن پلان کی رواں سال کی رپورٹ جاری کی گئی تھی جس کے مطابق رواں سال جنوری سے اب تک دہشت گردی کے 432 واقعات ہوئے تاہم 2016 کی نسبت دہشت گردی کے واقعات میں 27 فیصد کمی واقع ہوئی۔

(بشکریہ ڈان)

تشدد سے 4 سالہ بچہ بینائی سے محروم

بـدیـن سندھ کے ضلع بدین کی تحصیل ٹنڈو باگو میں نجی اسکول کے پرنسپل کے مبینہ تشدد سے 4 سالہ بچہ بینائی سے محروم ہوگیا۔ پرنسپل کے تشدد سے اسکول کے طالب علم ابوحریرہ لغاری کی بائیں آنکھ میں کئی زخم آئے اور اسے آنکھوں کے مقامی ہسپتال لے جایا گیا، تاہم بعد ازاں اسے مزید علاج کے لیے حیدر آباد منتقل کرنا پڑا۔ متاثرہ بچے کے والد ذوالفقار لغاری نے دعویٰ کیا کہ تشدد سے ان کے بیٹے کی بائیں آنکھ مکمل طور پر ناکارہ ہوچکی ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ ان کے بیٹے پر ٹنڈو باگو ٹاؤن کے اسکول پرنسپل نے تشدد کیا۔ ذوالفقار لغاری نے اعلیٰ انتظامیہ سے اسکول پرنسپل کے خلاف کارروائی کی درخواست کی۔ تاہم پرنسپل نے الزامات مسترد کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ بچہ اس کے چند ساتھیوں کی جانب سے پینسلز کے حملوں سے زخمی ہوا۔ ٹنڈو باگو کے اسٹیشن ہاؤس افسر (ایس ایچ او) حاکم علی جلبانی نے ڈان کو بتایا کہ اگر بچے کے والدان سے رجوع کریں اور بچے کا طبی سرٹیفکیٹ فراہم کرتے ہیں تو وہ اسکول پرنسپل کے خلاف مقدمہ درج کریں گے۔

(بشکریہ ڈان)

یونیورسٹی طالبات کو ہراساں کرنے کے خلاف مظاہرے

حیدرآباد 29 اکتوبر کو جامعہ سندھ میں طالبات کو ہراساں کرنے کے خلاف آل سندھ اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹی نے پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرے کی قیادت کرنے والے فقیرا اقبال، زین کالانی، حسنین شاہ ودیگر نے کہا کہ سندھ یونیورسٹی کی فیسوں میں کیا گیا اضافہ واپس اور طلبہ یونین کو بحال کیا جائے۔ سندھ بھر کی جامعات میں سکیورٹی کے انتظامات بہتر اور ہاسٹلز میں تمام سہولتیں فراہم کی جائیں۔ عوامی راج تحریک نے بھی سندھ یونیورسٹی میں طالبات کو مبینہ طور پر ہراساں کرنے کے خلاف احتجاج کیا۔ قادر چانڈیو، طاہر بروہی ودیگر نے الزام عائد کیا کہ سندھ یونیورسٹی میں اساتذہ مبینہ طور پر مارکس دینے کے بہانے طالبات کو جنسی ہراساں کرتے ہیں اس معاملے پر وائس چانسلر اور دیگر ٹیچرز رہنماؤں کی خاموشی لمحہ فکریہ ہے۔ جئے سندھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے تحت طلبہ یونینز کی بحالی اور تعلیمی اداروں میں طالبعلموں کو بنیادی سہولتیں فراہم نہ کرنے کے خلاف پریس کلب کے سامنے احتجاج اور بھوک ہڑتال کی گئی دوست علی، سرویچ نوحانی ودیگر نے مطالبہ کیا کہ سندھ کی تمام جامعات میں زیر تعلیم طالب علموں کو تمام بنیادی سہولتیں فراہم کی جائیں اور جامعات میں طالبات کو ہراساں کرنے والے اساتذہ کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ سندھ یونائیٹڈ یوتھ فرنٹ کے تحت بھی پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ فرنٹ کے صدر شوکت خاصخیلی، امیر نوناری، جی ایم خاصخیلی اور دیگر نے کہا کہ سندھ یونیورسٹی کی انتظامیہ طالبات کو جنسی طور پر ہراساں کرنے والے اساتذہ کو ملازمتوں سے فارغ کرنے کی بجائے انہیں دیگر اضلاع میں تبادلہ کرکے اپنی بدنیتی کا ثبوت دے رہی ہے۔ انہوں نے حکومت اور یونیورسٹی انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ طالبات کو ہراساں کرنے میں ملوث اساتذہ کو ملازمتوں سے فارغ کیا جائے۔ سندھ نیشنل ناری تحریک کی صدر ڈاکٹر عظمیٰ جوکھیو نے پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ سندھ یونیورسٹی مادر علمی ہے جس میں طالبات کو جنسی طور پر ہراساں کرنے پر انتظامیہ خاموش رہی جس پر سپریم کورٹ کے نوٹس اور عدالتی انکوائری کے باوجود صرف ایک ٹیچر کا تبادلہ کیا گیا جس کو رکوانے کے لئے بھی ایک گروپ متحرک ہے، اساتذہ کے دونوں گروپ اپنے مفادات کے لئے ایک دوسرے پر الزامات عائد کرتے رہتے ہیں جامع سندھ کے مسائل پر کبھی توجہ نہیں دی۔

(لالہ عبدالحلیم)

بچے

غربت سے پریشان ماں نے 3 بچوں کو نہر میں پھینک دیا

گوجرانوالہ صوبہ پنجاب کے علاقے پنڈی بھٹیاں میں مبینہ طور پر غربت سے پریشان ماں نے اپنے 3 بچوں کو نہر میں پھینک دیا جبکہ خودسوزی کی کوشش کی تاہم وہ کامیاب نہ ہوسکی۔ ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق زرینہ بی بی کا خاوند جسمانی معذوری کا شکار ہے جس کی وجہ سے وہ معاشی معاملات میں خاندان کی مدد کرسکتا تھا۔ رپورٹ کے مطابق گذشتہ روز خاتون نے اپنی 6 سالہ بیٹی حمنہ، 4 سالہ جمشید اور 2 سالہ بلال کو ساتھ لیا اور نہر کے قریب ان کا گلا کاٹ کر انہیں اس میں پھینک دیا۔ بعدازاں خاتون نے خود بھی اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تاہم وہ کامیاب نہ ہوسکی اور اسے شدید زخمی حالت میں ایک راہ گیر نے ہسپتال منتقل کیا۔ علاوہ ازیں ریسکیو رضا کاروں نے بچوں کی لاشیں تلاش کرنے کے لیے نہر میں امدادی کاموں کا آغاز کیا تاہم آخری اطلاعات آنے تک ان کی لاشیں برآمد نہیں ہوسکیں۔ پولیس نے واقعے کا مقدمہ زرینہ بی بی کے خلاف درج کرکے تفتیش کا آغاز کردیا۔

(بشکریہ ڈان)

فائرنگ سے 6 سالہ بچی جاں بحق

فیصل آباد قرض کی واپسی کے تنازع پر فائرنگ سے 6 سالہ بچی جاں بحق ہوگئی۔ الٰہی آباد کے رہائشی وارث مسیح نے ملزم اجمل سے 40 ہزار روپے کا قرض لے رکھا تھا۔ ملزم قرض کی رقم حاصل کرنے وارث کے گھر آیا جہاں وارث نے رقم کی واپسی کے لیے تین سے چار روز کی مہلت مانگی، تاہم اجمل نے وقت دینے سے انکار کردیا جس پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہوئی۔ تلخ کلامی بڑھنے پر اجمل نے اپنی پستول نکال لی اور فائرنگ کردی جس سے وارث مسیح کی بیٹی حمیرا شدید زخمی ہوئی۔ حمیرا کو تشویشناک حالت میں الائیڈ ہسپتال منتقل کیا گیا، تاہم وہ جانبر نہ ہوسکی۔ صدر پولیس نے واقعے کی ایف آئی آر درج کرلی۔

(بشکریہ ڈان)

9 سالہ بچی کا قتل، مجرم کو 17 سال بعد پھانسی دے دی گئی

حیدرآباد نوسالہ بچی کو زیادتی کے بعد قتل کرنے والے مجرم کو سنٹرل جیل حیدر آباد میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ سکندر جویو نے ضلع دادو کے تھانے جوہی کی حدود میں 2000ء میں اپنے قریبی عزیز کی نوسالہ بیٹی رخسانہ جویو کو چیز دلانے کے بہانے بچاؤ بند پر لے جاکر زیادتی کا نشانہ بنایا اور بعدازاں اسے قتل کردیا تھا۔ مقتولہ کے والد حسن جویو نے اس کے خلاف مقدمہ درج کرایا تھا۔ (لالہ عبدالحلیم)

جن کو تعلیم دینی چاہیے، اُنہیں ہم بھیک کیوں دیتے ہیں؟ ذرا سوچیے

ندیم جاوید عثمانی

انٹرنیٹ کیفے میں داخل ہونے سے قبل نادر نے اپنی اُنگلی پر شمار کیا، یہ آٹھویں جگہ تھی جہاں وہ کوئی کام مانگنے کے لیے داخل ہو رہا تھا۔

اُس نیٹ کیفے میں رکھی میز پر بیٹھا ہوا ایک نوجوان لڑکا کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھا، وہ کمپیوٹر کی روشن اسکرین کو دیکھنے میں اتنا منہمک تھا کہ دو بار آواز دینے پر بھی متوجہ نہیں ہوا، نادر چُپ چاپ اُس کے سامنے سے ہٹ کر نوجوان کے پیچھے کی جانب آ کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ کب نوجوان اسکرین چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

نادر نے دیکھا کہ وہ نوجوان ایک شارٹ فلم دیکھنے میں مشغول ہے، اس فلم کی کمال عکاسی ہی تھی جس نے نوجوان کو نظریں جمانے پر مجبور کر دیا تھا، لمحہ بھر میں اس شارٹ فلم نے نادر کی توجہ بھی حاصل کر لی اور نادر اور نوجوان دونوں ہی کی نظریں اب اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

نادر کو لگا کہ جیسے کمپیوٹر پر چل رہی فلم اُسی کی زندگی کی عکاسی کر رہی ہے۔ اُس مختصر سی فلم میں ایک 12 سے 14 برس کا بچہ بالکل اُسی کی طرح جگہ جگہ دکانوں پر جا کر اپنے لیے کام مانگ رہا تھا اور کام مانگنے پر دھتکارا جا رہا تھا، یہ دیکھ کر اُسے وہ جھڑکیاں یاد آئیں جو آج صبح سے وہ نجانے کتنی بار کئی دکانداروں سے سُن چکا تھا۔

فلم میں بچہ پھرتا پھراتا ایک دکان میں وارد ہوتا ہے، جہاں بیٹھا ایک دکاندار اُس بچے کو دیکھ کر کہتا ہے کہ جو کام دوں گا وہ کرے گا؟ اِس جملے کے بعد اُس فلم کا منظر ختم ہو جاتا ہے، اور فلم کے آخری منظر میں کام مانگنے والا وہی بچہ اسکول کی وردی پہنے، گلے میں بستہ لٹکائے اسکول جا رہا ہوتا ہے!

نادر فلم کے مناظر دیکھنے میں اِس قدر کھو گیا کہ کیفے والے کے پکارنے پر بھی جواب نہیں دیا، لیکن جب نوجوان نے تھوڑی بلند آواز میں پوچھا کہ کون ہو بھائی؟ یہاں میرے پیچھے ایسے کیوں کھڑے ہو؟ تب نادر کو لگا کہ جیسے اس کی تلخ اور حقیقی زندگی نے دستک دی ہو۔

کیفے والے کے اِس سوال کے جواب میں اپنے بچپن کو کب کا دفن کر دینے والے نادر نے وہی سوال دُہرایا جسے آج صبح سے وہ نجانے کتنی بار دکانوں اور کارخانوں پر دہرا چکا تھا، 'بھائی کوئی کام ملے گا؟ صاف صفائی سے لے کر جو کہو گے وہ سب کرلوں گا'۔

مگر اُس نیٹ کیفے میں بھی اُس کی امیدوں کا قتل ہوا، یہاں بھی اُسے وہی جواب سُننے کو ملا جو صبح سے اب تک سُننے کو مل رہا تھا کہ کوئی کام نہیں، مگر اُس نیٹ کیفے والے کے جواب میں ایک مشورہ بھی شامل ہو گیا تھا کہ 'بیٹا ابھی پڑھنے کی عمر ہے، جا کر کسی اسکول وغیرہ میں داخلہ لو'، شاید نوجوان پر چند لمحے قبل دیکھی جانے والی فلم کا تازہ اثر ہی تھا کہ وہ اور کچھ نہیں تو پڑھائی کا مشورہ ہی دے سکا، لہٰذا نادر چُپ چاپ سر جھکائے اُس نیٹ کیفے سے بھی باہر نکل آیا۔

سامنے بنے ایک فٹ پاتھ پر بیٹھ کر وہ اپنی معصوم خواہشوں اور خوابوں کے بجائے فکرِ معاش کی الجھنوں میں مشغول ہو گیا۔ بارہ سے تیرہ برس کی عمر کے نادر کی صحت کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کسمپرسی کے حالات میں زندگی گزارتے ہوئے ایک غریب گھر کے بچے کی ہو سکتی ہے، مناسب غذا کہاں نصیب اُسے، بس 2 وقت کا کھانا کھانے کی رسم بمشکل ہی ادا کر پاتا ہے، اسی لیے وہ اپنی عمر سے بھی دو تین سال کم ہی دکھائی دیتا تھا۔

نادر کو اِسی پریشانی کا سامنا اُس وقت بھی ہوا تھا جب اماں اچھے دنوں کی خواہش میں اُس کو آٹھ سال کی عمر میں رحمان بھائی کے آٹو ورکشاپ پر کام سیکھنے کے لیے بٹھا گئی تھی جہاں ہمہ وقت درجنوں گاڑیوں مرمت کے لیے آتی تھیں، شاید کام کی اسی زیادتی اور اماں کی منت سماجت پر اُس آٹو ورکشاپ کے مالک رحمان بھائی نے بھی کچھ خاص مزاحمت نہیں دکھائی اور نادر کو اپنی ورکشاپ پر رکھ لیا جہاں کام کے اوقات صبح نو بجے سے رات نو بجے تک تھے۔

شروع شروع میں تو ورکشاپ کے مکینک اُس سے کبھی چائے منگوا رہے ہوتے تو کبھی وہ کسی کے کھانے کے لیے کچھ لا رہا ہوتا، کچھ عرصے بعد وہ اُن بدنصیب چھوٹوں کی فہرست میں شامل ہو گیا جو صبح سے دیر رات تک مختلف جگہوں پر اپنے استادوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں، بس تو پھر یہ اُس نادر کی شناخت 'چھوٹے' کے نام میں سمٹ گئی اور اُسے مرمت میں مصروف کسی استاد کے پاس کھڑا کر دیا جاتا کہ بغور اُستاد کو کام کرتے ہوئے بھی دیکھے اور ضرورت کے تحت مختلف نمبر کے پانے، پلاس اور دیگر آلات اُٹھا اُٹھا کر دیتا جائے اور یوں اُس کا بچپن چھالوں، گریس اور تیل کی کالک میں بتدریج کہیں بھسم ہوتا جا رہا تھا۔

آٹو ورکشاپ کے بالکل سامنے بچوں کا ایک اسکول تھا جب بھی نادر کو تھوڑی بہت فراغت ملتی تو وہ اپنی نظریں اسکول کی جانب جمائے بیٹھ جاتا، خاص طور پر اُس وقت جب دوپہر میں بچوں کی چھٹی ہوتی تو اُن کو یوں اسکول سے نکلتا دیکھ کر اُسے ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوتا۔ دراصل اُسے یہ خوشی اُن خیالوں سے ملتی جو نادر کو ان ہنستے اسکول کے بچوں کو دیکھ کر ملتی تھی، وہ خود کو بھی خیالوں میں اسکول کی صاف ستھری وردی پہنے ہوئے، گلے میں بستہ لٹکائے ہوئے دیگر بچوں کے ہمراہ اسکول سے باہر آتا ہوا دیکھتا،

اُس کے خیالوں کا سلسلہ اُس وقت ٹوٹتا جب رحمان بھائی کی اُس پر نظر پڑتی اور اُسے یوں خیالوں میں کھویا ہوا دیکھ کر وہ اپنے پاس پڑی ہوئی کوئی بھی چیز اُس کی جانب پھینک کر متوجہ کرتے۔

کتنی بار تو اُن کی جانب سے یوں پھینکی جانے والی چیزیں اُس کی اچھی خاصی چوٹوں کا سبب بن چکی تھیں اور نجانے کتنی مرتبہ تو وہ اُس کے یوں اسکول کی جانب نظریں لگائے بیٹھے رہنے کی شکایت اماں سے بھی کر چکے تھے کہ، بہن لگتا ہے تمہارے بچے کا دل کام سے زیادہ پڑھائی میں اٹکا رہتا ہے، ہر وقت اسکول کی جانب اپنی نظریں لگائے بیٹھا رہتا ہے اور اِس کی تعلیم حاصل کرنے کے شوق سے واقف اماں ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتی تھیں مگر کچھ کر نہیں سکتی تھیں کہ وہ جانتی تھیں کہ اگر اِسے پڑھنے لکھنے کے لیے بٹھا دیا تو معلوم نہیں کب اِس کی تعلیم مکمل ہو گی اور کب یہ کسی روزگار پر لگے گا؟ تب تک تو اچھے دنوں کی آس لیے اُس کی بوڑھی ہڈیاں قبر کی مٹی میں گل چکی ہوں گی۔

اُن کا خیال تھا کہ اُن کے جیسے طبقے میں موجود بچوں کا پڑھنے کے بجائے کوئی ہنر سیکھنا ہی بہتر ہے، کم از کم پانچ چھ سال کی محنت کے بعد وہ مکمل کاریگر تو بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے بھی ہر بار رحمان بھائی کی شکایت پر اُنہیں درگزر کرنے کی درخواست کر کے بات سنبھال لیتی تھیں اور نادر چپ چاپ سر جھکائے کھڑا اماں کو رحمان بھائی کی منت سماجت کرتے ہوئے سُنتا رہتا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ آج شام کو اُس کو گھر پہنچنے پر اماں کی ڈانٹ سُننے کو ملے گی کہ وہ اسکول کی جانب آخر دیکھتا ہی کیوں ہے اور پھر اُس کے کچھ جواب نہ دینے پر ایک بار پھر اُسے گلے سے لگا کر نجانے کتنی دیر خاموشی کے ساتھ آنسو بہاتی رہیں گی۔

مگر دو سال بعد نادر اتنا کام سیکھ چکا تھا کہ گاڑیوں میں آئی

چھوٹی موٹی خرابی کو خود بھی ٹھیک کرنے لگا اور یوں رحمان بھائی نے اُسے سو روپے روزانہ بطور اُجرت دینا شروع کر دیے۔ گھر کے نظام کو اکیلے چلانے کے لیے دن بھر سلائی کرنے والی اماں کو اِن سو روپوں سے سہارا ہی نہیں ملا بلکہ اُنہیں اپنا وہ فیصلہ بھی دُرست دکھائی دینے لگا کہ بچے کو تعلیم دلانے سے بہتر ہے کہ کوئی ہنر سکھایا جائے۔ مگر اس عرصے میں نادر بھی تعلیم کے حصول کی خواہش بھول چکا تھا، بلکہ اب جب وہ ہر روز شام کو اُجرت کے سو روپے لے کر گھر کی جانب جا رہا ہوتا تو زیادہ سے زیادہ کی طلب کے نتیجے میں اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ سو روپے کم ہیں، اُسے زیادہ سے زیادہ پیسے کمانے ہیں۔

اب تو موٹر خانے پر کام کرتے ہوئے پیسے کمانے کی دُھن میں اُسے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ اُس نے نجانے کتنے دنوں سے اسکول کی طرف نہیں دیکھا بلکہ صورتحال تو یہ ہو گئی تھی کہ جمعہ کا دن قریب آتے ہی اُسے فکر لاحق ہو جاتی تھی کہ چھٹی کا دن آنے والا ہے اور اُس دن اُسے دہاڑی نہیں ملے گی۔

لیکن یہ روز سو روپے ملنے کی خوشی اور اُس کے ساتھ بننے والے خوابوں کا محل اُس دن گر گیا جب آج سے 20 دن قبل وہ حسبِ معمول کام پر پہنچا تو پتہ چلا رات رحمان بھائی کا دل کا دورہ پڑنے کے باعث انتقال ہو گیا ہے۔ رحمان بھائی کے سوئم کے بعد بھی وہ تین چار روز تک ورکشاپ کے چکر لگاتا رہا کہ شاید آج ورکشاپ کھل جائے کیونکہ اکثر رحمان بھائی کی غیر موجودگی میں اُن کے دو بیٹے ورکشاپ سنبھالتے تھے مگر جب آٹھ دس دن گزرنے کے بعد بھی ورکشاپ دوبارہ نہیں کھلی تو اُس کو اب یہ وسوسے ڈرانے لگے کہ پتہ نہیں اب ورکشاپ واپس کھلے گی بھی یا نہیں؟ اُس کو گھر بیٹھے ہوئے پورے 19 دن ہو چکے تھے اور اب اُسے رحمان بھائی کے مرنے سے زیادہ اپنے اُن روز کے سو روپے نہ ملنے کا دُکھ کھانے لگا تھا۔

اپنے روز کے ہونے والے اِسی نقصان کو پورا کرنے کی خاطر آج صبح وہ گھر سے یہ ٹھان کر نکلا تھا کہ آج اُسے ہر حال میں کسی دوسری آٹو ورکشاپ پر لگنا ہے یا کوئی بھی دوسرا کام ڈھونڈنا ہے لیکن وہ جدھر بھی گیا اُسے انکار ہی سُننے کو ملا۔ سامنے اسکول سے اُٹھنے والے بچوں کے شور نے اُس کے خیالوں کا سلسلہ توڑ دیا اور آج نجانے کتنے عرصے بعد بچوں کو یوں اسکول سے نکلتے دیکھ کر وہ ایک بار پھر خیالوں کی اُسی دُنیا میں پہنچ گیا جہاں وہ اپنے آپ کو دیگر بچوں کے ہمراہ اسکول سے ہنستا مسکراتا ہوا باہر آتے ہوئے دیکھنے لگا اور آج اِس خیال کی شدت اُسے پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہوئی کیونکہ اُس لمحے میں وہ اُس سو کے نوٹ کی محبت سے آزاد ہو چکا تھا۔

دوسری وجہ یقیناً وہ شارٹ فلم رہی تھی جو اُس نے آج نیٹ کیفے پر دیکھی تھی، وہ بچوں کے ساتھ نکلتے ہوئے اُن کے والدین یا اُن عزیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ نادر نے سوچا کہ وہ بھی کسی بچے کے باپ سے کام مانگنے کا سوال کرتا ہے ممکن ہے کسی بچے کا باپ اُس کو ڈانٹتے ہوئے یہ بولے کہ 'اتنی سی عمر میں کام کرو گے؟ یہ تو پڑھنے کی عمر ہے، کل صبح یہاں ملنا میں تمہیں بھی اِس مہنگے اسکول میں نہ سہی مگر کسی ڈھنگ کے اسکول میں داخلہ دلا دوں گا۔'

اب اُس کی نظریں اپنے اپنے بچوں کی اُنگلیاں تھامے لوگوں میں سے رحم دل دکھائی دینے والے کسی ایسے شخص کو متلاشی تھیں جس کے آگے جا کر وہ اپنا یہ سوال رکھ سکے۔ عین اُسی وقت پانچ چھ سال کے بچے کا ہاتھ تھامے ہوئے ایک شخص اُسے اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ جس فُٹ پاتھ کے کنارے وہ بیٹھا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی اُس شخص کی گاڑی پارک تھی، جیسے ہی وہ شخص اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تو نادر بھی فوراً اُٹھ کر اُس کی جانب بڑھا اور اُس شخص کے متوجہ ہوتے ہی اُس نے اپنا سوال اُس کے سامنے پیش کر دیا، 'صاحب کوئی کام ملے گا؟'

اُس شخص نے افسوس اور ملامتی نظروں سے بنا کچھ کہے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر اُس کے ہاتھ میں تھما دیا، وہ حیرت سے وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ وہ اُس شخص کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ بھیک نہیں بلکہ کرنے کو کوئی کام مانگ رہا ہے، مگر قبل اس کے کہ نادر کچھ کہتا وہ شخص اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلا بھی گیا اور وہ حیرت کے عالم میں قریب کھڑی ایک گاڑی کو ٹیک لگائے سو روپے کے نوٹ کو چُپ چاپ گھورنے لگا۔

ابھی وہ حیرانی کے عالم سے باہر ہی نہیں آیا تھا کہ اُس گاڑی کا مالک آ گیا جس گاڑی سے وہ ٹیک لگائے کھڑا تھا، اپنی کار سے اُسے یوں لگا دیکھ اُس نے تند و تیز لہجے میں نادر کو ایک جانب ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا کہ، 'ایک تو تم لوگ مانگنے کے چکر میں کہیں بھی راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہو، اب ایسے میرا منہ کیا تک رہا ہے ہٹ گاڑی نکالنی ہے مجھے اور اس کے گاڑی کے سامنے سے ہٹنے پر اُس نے ایک نظر اُس کی جانب دیکھا اور پھر نجانے کیا سوچ کر پچاس روپے کا ایک نوٹ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور یوں ایک بار پھر نادر پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

کافی دیر بعد جب وہ اپنی اس کیفیت سے باہر نکلا تو اُس کی آنکھیں کسی خیال کے تحت چمک رہی تھیں اور پھر اسکول سے تمام بچے نکلنے تک وہ مختلف گاڑیوں کے سامنے جا کر کھڑا ہوتا رہا اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ اب اسکول خالی ہو چکا ہے تو اُس نے واپس فُٹ پاتھ پر جا کر بیٹھتے ہوئے اپنی جیب سے تمام نوٹ نکالے اور اُنہیں گننے بیٹھ گیا اور تمام روپے گننے کے بعد نادر کی آنکھیں حیرت سے کُھلی رہ گئیں کہ اُس نے تھوڑی ہی دیر میں 780 روپے جمع کر لیے تھے اور اب وہ رحمان بھائی کے ورکشاپ پر برباد کیے اُس وقت کو کوس رہا تھا جہاں پورے دن کام کرنے کی اُجرت ایک اکلوتے سو روپے کی صورت میں ملتی تھی اب اُس نے اپنے کام ڈھونڈنے کے خیال پر لعنت بھیجی، خوشی سے جھومتے ہوئے نادر کے قدم اپنے گھر کی جانب بڑھ رہے تھے ساتھ ہی اُس کا دماغ آنے والے کل کے لیے یہ منصوبہ بندی کرنے میں لگا ہوا تھا کہ کل صبح وہ یہاں اور بھی جلدی پہنچے گا تا کہ آج کے مقابلے میں زیادہ پیسے کما سکے۔

ختم شُد

کسی بھی تحریر کے آخر میں لکھے ختم شُد سے مُراد اُس کہانی کے اختتام سے لی جاتی ہے۔ یہ فقط ایک رسم کے سوا اور کچھ نہیں جس کے تحت ایک لکھاری اپنے قارئین کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ کہانی اور اُس کہانی سے وابستہ تمام کردار اپنے انجام کو پہنچے، حالانکہ ایسا قطعی نہیں۔

اِس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جب کبھی آپ کوئی ناول یا افسانہ پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اُس کہانی کے اختتام پر پہنچتے ہیں تو آپ اُس کے انجام سے مطمئن نہیں ہو پاتے، آپ کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے ہوتے ہیں کہ ابھی کہانی کو یہ موڑ دیا جا سکتا تھا، یوں مزید آگے بڑھایا جا سکتا تھا، یہ کسی لکھاری کی تحریر میں اپنی سوچ و فکر سے تبدیلی کے خواہشمند ہوتے ہیں مگر چاہ کر بھی اُن کے لیے یہ تبدیلی ممکن نہیں تا وقتیکہ یہ خود کچھ لکھنے کا عزم نہ کر لیں!

لیکن اِس طرح کی تعمیری سوچ رکھنے والے دس مختلف قارئین میں سے بمشکل دو ہی ہوتے ہیں جبکہ باقی کے آٹھ قارئین میں سے چار لکھاری کے تحریر کردہ انجام سے مطمئن ہو جاتے ہیں جبکہ باقی چار ایسے ہوتے ہیں جو کسی بھی کہانی کے ختم ہونے پر سُکھ کا سانس لیتے ہیں۔ لہٰذا ان تینوں قارئین کے رویوں کی مختصراً وضاحت کی جائے تو پہلے وہ ہیں جو کوئی تحریر پڑھتے وقت صرف اپنی نگاہ ہی نہیں دماغ کا بھی استعمال کرتے ہیں جبکہ دوسرے وہ ہیں جو صرف نگاہ کا استعمال کرتے ہیں اور آخر میں رہ گئے وہ لوگ جو کوئی تحریر پڑھتے وقت نہ نظر کا استعمال کرتے ہیں نہ دماغ کا، اُن کے مطالعے کا مقصد صرف اور صرف فراغت کے لمحات کو گزارنا ہوتا ہے۔

اِس لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی وجہ صرف اور صرف اتنی ہے کہ ہم اُس بچے کی زندگی کی کہانی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ذات کو پرکھ سکیں کہ بحیثیت ایک قاری یا انسان، مذکورہ کہانی میں ہم مندرجہ بالا تین اقسام میں خود کو کس خانے میں رکھا ہوا محسوس کرتے ہیں؟

کیونکہ اِس ختم شُد پر کہانی ختم نہیں ہوئی بلکہ شروع ہوئی، ایک جذبہ ہمدردی کے تحت کی جانے والی مدد کے نتائج کتنے منفی ثابت ہو سکتے ہیں اِس کا اندازہ اُسی صورت ہو سکتا ہے کہ جب ہم ایک بھکاری کی زندگی کا مشاہدہ کریں کہ کس طرح کبھی کبھار ہم مدد کے لیے کیے جانے والے ایک سوال کے عوض معاشرے میں ایک نیا بھکاری پیدا کرنے کی وجہ بن جاتے ہیں!

تو ایسی صورتحال میں ہمیں قطعی یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم بھیک مانگنے کے پیشے کو بُرا بولیں یا کسی بھکاری کو حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ ہمیں کُھلے دل کے ساتھ اِس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ یہ پیشہ لاکھ بُرا سہی مگر چل تو ہماری بدولت ہی رہا ہے۔

ندیم جاوید عثمانی کراچی سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے مشاغل میں پڑھنا اور لکھنا اولین ترجیح ہے۔ تحریر نگاری کے ساتھ شاعری کرنے کا بھی شوق ہے، مگر خواہشمند ہیں کہ مستقبل قریب میں قارئین انہیں بحیثیت سنجیدہ و مزاح نگار کے روپ میں پہچانیں۔

(بشکریہ ڈان اردو)

دہشت گردوں کے 6 سال میں 35 سے زائد تعلیمی اداروں پر حملے

دہشت گردوں نے یکم دسمبر 2017 کی صبح کو صوبہ خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور میں موجود زرعی ٹریننگ انسٹیٹیوٹ پر حملہ کرکے ایک مرتبہ پھر بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ مسلح دہشت گردوں نے زرعی ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کے ہاسٹل پر حملہ کیا، جس میں کم سے کم 9 افراد ہلاک اور 35 زخمی ہوئے۔ حملے کے فوری بعد پاک فوج، فرنٹیئر کور (ایف سی) اور پولیس اہلکاروں نے علاقے کا محاصرہ کرتے ہوئے دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کا آغاز کیا۔ بعدازاں پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کی جانب سے جاری بیان میں بتایا گیا کہ حملے میں ملوث تینوں دہشت گردوں کو ہلاک کرکے کلیئرنس آپریشن بھی مکمل کرلیا گیا، بیان کے مطابق آپریشن کے دوران 2 فوجی اہلکار بھی زخمی ہوئے۔ لیکن دہشت گردوں کی جانب سے پاکستان کے تعلیمی اداروں پر یہ پہلا حملہ نہیں تھا، دہشت گرد ماضی میں بھی اپنے ناپاک عزائم کے ذریعے تعلیمی اداروں کو آسان ہدف سمجھ کر نشانہ بناتے رہے ہیں۔ دہشت گردوں نے پاکستانی تاریخ میں تعلیمی اداروں پر سب سے خطرناک حملہ 2014 میں پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر کیا تھا، جس میں کم سے کم 142 بچے اپنوں سے جدا ہوئے تھے۔ تاہم دہشت گردوں کے تعلیمی اداروں پر حملے گزشتہ کئی سال سے جاری ہیں۔ سال 2011 سے سال 2016 کے آغاز تک دہشت گردوں کی جانب سے پاکستان کے مختلف تعلیمی اداروں پر کم سے کم 35 حملے کیے گئے، جن میں متعدد طلبہ اور اساتذہ ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوگئے۔ دہشت گردوں کے زیادہ تر حملوں میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کی عمارتوں کو نقصان پہنچانے سمیت اسکولوں کو تباہ بھی کیا گیا۔ 9 مارچ 2011 کو درہ آدم خیل میں سرکاری اسکول 'کوہی وال مڈل اسکول' کی عمارت کو نامعلوم حملہ آوروں کی جانب سے نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں اسکول کی عمارت منہدم ہوگئی تاہم کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ 17 اپریل 2011 کو خیبر پختونخوا کے شہر نوشہرہ میں نامعلوم دہشت گردوں کی جانب سے گورنمنٹ پرائمری بوائز اسکول پر حملہ کیا گیا، جس کے نتیجے میں اسکول کے متعدد کلاس رومز تباہ ہوگئے تاہم اس حملے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ 29 اگست 2011 کو پاکستان کے شمال مغربی حصے میں نامعلوم دہشت گردوں نے پھر اسکول کو نشانہ بنایا، تحصیل شیر دن بندا میں ہونے والے اس واقعے میں دہشت گردوں نے لڑکیوں کے اسکول میں گھی کے ڈبوں کا استعمال کیا اور دھماکا خیز مواد ان ڈبوں میں رکھ کر حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں اسکول کی عمارت تباہ ہوگئی تاہم خوش قسمتی سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ 8 نومبر 2011 کو ضلع مردان میں لڑکیوں کے سکول کو نامعلوم حملہ آوروں کی جانب سے نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں اسکول کے تین کمرے مکمل تباہ ہوگئے جبکہ 2 کمرے متاثر بھی ہوئے تھے، اس حملے میں 20 کلوگرام دھماکا خیز مواد استعمال کیا گیا تھا۔ 18 جون 2012 کو کوئٹہ میں دہشت گردی کا واقعہ پیش آیا، دہشت گردوں کی جانب سے جناح ٹاؤن کے علاقے میں بلوچستان یونیورسٹی آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور مینجمنٹ سائنسز (بی یو آئی ٹی ای ایم ایس) کی بس کو نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں 4 افراد جاں بحق جبکہ 72 زخمی ہوگئے، اس دھماکے کی ذمہ داری کالعدم لشکر جھنگوی کی جانب سے قبول کی گئی تھی۔ 28

> سال **2011** سے سال **2016** کے آغاز تک دہشت گردوں کی جانب سے پاکستان کے مختلف تعلیمی اداروں پر کم سے کم **35** حملے کیے گئے، جن میں متعدد طلبہ اور اساتذہ ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوگئے۔ دہشت گردوں کے زیادہ تر حملوں میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کی عمارتوں کو نقصان پہنچانے سمیت اسکولوں کو تباہ بھی کیا گیا۔ **9** مارچ **2011** کو درہ آدم خیل میں سرکاری اسکول 'کوہی وال مڈل اسکول' کی عمارت کو نامعلوم حملہ آوروں کی جانب سے نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں اسکول کی عمارت منہدم ہوگئی تاہم کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ **17** اپریل **2011** کو خیبر پختونخوا کے شہر نوشہرہ میں نامعلوم دہشت گردوں کی جانب سے گورنمنٹ پرائمری بوائز اسکول پر حملہ کیا گیا، جس کے نتیجے میں اسکول کے متعدد کلاس رومز تباہ ہوگئے تاہم اس حملے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

جولائی 2012 کو صوابی میں لڑکیوں کے گورنمنٹ پرائمری اسکول کو نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں اسکول کی عمارت کے 2 کمرے مکمل تباہ ہوگئے۔ 31 دسمبر 2012 کو خیبر ایجنسی کی تحصیل جمرود میں گرلز اسکول کو دھماکہ خیز مواد سے نشانہ بنایا گیا، جس میں ایک شخص ہلاک ہوگیا، اور عمارت کو نقصان پہنچا۔ یکم مارچ 2013 کو لکی مروت کے گاؤں ابا خیل میں گورنمنٹ بوائز اسکول کو تباہ کردیا گیا۔ 30 مارچ 2013 کو کراچی میں اسکول پر گرنیڈ حملہ کیا گیا، جس میں اسکول کے پرنسپل عبدالرشید ہلاک ہوگئے، جب کہ اس حملے میں 4 بچے بھی زخمی ہوئے۔ 15 جون 2013 کو بولان میڈیکل کالج یونیورسٹی کی بس کو خودکش حملے کے ذریعے نشانہ بنایا گیا، جس میں 14 طالبات اور ڈپٹی کمشنر بھی ہلاک ہوگیا، بعدازاں اس دھماکے کی ذمہ داری کالعدم تنظیم لشکر جھنگوی نے قبول کی۔ 21 جون 2013 کو مہمند ایجنسی میں ایک مرتبہ پھر بوائز اسکول کو تباہ کردیا گیا۔ 29 جون 2013 کو لکی مروت میں دو سرکاری اسکولوں کو نشانہ بنایا گیا، دھماکے کے ذریعے گورنمنٹ پرائمری اسکول نصراللہ کے 3 جبکہ گورنمنٹ پرائمری اسکول مطیع اللہ کے 2 کلاس روم مکمل طور پر تباہ کردیے گئے۔ 19 اگست 2013 کو مہمند ایجنسی میں بھی ایک سرکاری پرائمری اسکول کو تباہ کردیا گیا۔ 6 جنوری 2014 کو ہنگو میں نوجوان طالب علم اعتزاز احسن نے گورنمنٹ ہائی اسکول ابراہیم زئی میں خودکش حملے کو ناکام بناتے ہوئے، حملہ آور کو روکنے کی کوشش کی، جس دوران دھماکہ خیز مواد پھٹنے سے طالب علم اعتزاز احسن بھی چل بسا۔ 15 فروری 2014 کو ہنگو میں ایک سرکاری اسکول کو تباہ کردیا گیا۔ 8 ستمبر 2014 کو کالعدم تحریک طالبان کے دہشت گردوں نے باجوڑ میں دوبارہ تعمیر کیے گئے سرکاری اسکول کو تباہ کردیا۔ 14 نومبر 2014 کو چارسدہ اسکول میں گرلز سکول پر حملہ کیا گیا، دھماکے کے باعث 2 کلاس روم اور اسکول کی چاردیواری کو نقصان پہنچا۔ 15 دسمبر 2014 کو چارسدہ میں ہی ایک فلاحی تنظیم کی نگرانی میں چلنے والے اسکول کو بھی تباہ کردیا گیا۔ 16 دسمبر 2014 کو ملکی تاریخ میں کسی بھی تعلیمی ادارے پر سب سے خطرناک حملہ کیا گیا، پشاور کے آرمی پبلک اسکول (اے پی ایس) پر حملہ کرکے کم سے کم 144 طالب علموں، اساتذہ اور دیگر اسٹاف کو شہید کیا گیا۔ 30 دسمبر 2014 کو شدت پسندوں نے کرم ایجنسی میں 2 سرکاری اسکولوں میں توڑ پھوڑ کرکے فرنیچر کو بھی تباہ کردیا۔ 15 جنوری 2015 کو صوابی میں گرلز اسکول کے باہر موٹر سائیکل سوار ملزمان نے فائرنگ کردی، تاہم اس واقعے میں کسی جانی نقصان کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ 3 فروری 2015 کو کراچی کے علاقے گلشن اقبال کے بلاک 7 میں موٹر سائیکل سوار ملزمان نے متعدد نجی اسکولوں پر گرنیڈ حملے کیے، تاہم ان حملوں میں کسی بڑے نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ یکم مارچ 2015 کو بھی کراچی میں گرلز اسکول میں ریموٹ کنٹرول دھماکہ کیا گیا، جس میں اسکول کی عمارت کو نقصان پہنچا، تاہم کسی جانی نقصان کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ 19 مارچ 2015 کو ایک مرتبہ پھر کراچی کے علاقے ناظم آباد میں ایک اسکول پر گرنیڈ حملہ کیا گیا، تاہم اس میں بھی کسی جانی نقصان کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ 17 جون 2015 کو باجوڑ ایجنسی میں ایک اسکول کو تباہ کردیا گیا۔ 5 جولائی 2015 کو ایک مرتبہ پھر باجوڑ ایجنسی کے ایک اور بوائز اسکول کو تباہ کیا گیا۔ 18 اگست 2015 کو بھی باڑہ میں ایک اسکول کو تباہ کیا گیا۔ 29 اکتوبر 2015 کو چارسدہ کے علاقے شبقدر میں نامعلوم ملزمان ایک اسکول کے باہر ہوائی فائرنگ کرکے فرار ہوگئے۔ 20 جنوری 2016 کو دہشت گردوں نے ایک مرتبہ صوبہ خیبر پختونخوا میں بڑا حملہ کرکے چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی کو نشانہ بنایا، اس حملے میں 21 طلبہ و اساتذہ کو قتل کیا گیا۔ (بشکریہ ڈان)

ہرنائی کو سوئی گیس فراہم کی جائے

ہرنائی بلوچستان سے نکلنے والی سوئی گیس پاکستان کے ہر کونے میں پہنچ گئی لیکن سوئی کے ساتھ متصل علاقوں تک نہ پہنچ سکی۔اب ضلع ہرنائی کی یونین کونسل زرغون غر سے بھی گیس نکل رہی ہے لیکن ہرنائی کے عوام کیکر اور زیتون کے جنگلات کو کاٹ کر اپنے گھروں کے چولہے جلاتے ہیں۔ہم حکومت وقت سے اپیل کرتے ہیں کہ ضلع ہرنائی کے عوام کو جلد از جلد گیس فراہم کی جائے۔

(حمید اللہ کاکڑ)

ایک شخص کی لاش برآمد

ہرنائی ڈسٹرکٹ ہرنائی کے علاقے محلّہ سیانی آباد کے رہائشی محمد خان کی لاش ایک خالی پلاٹ سے ملی تھی۔محمد خان کو گلا دبا کر قتل کیا گیا تھا۔قتل کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔لیویز اہلکاروں نے لاش کو ضروری کارروائی کے بعد ورثاء کے حوالے کر دیا۔نعش 15 نومبر کو برآمد ہوئی تھی۔

(حمید اللہ کاکڑ)

حکومت کو لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔۔۔(حسین نقی)

لاہور دنیا میں صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ ہزاروں واقعات ہو رہے ہیں،جن کے بارے میں معلومات عوام تک پہنچنا ان کا بنیادی حق ہے (حسین نقی) دنیا میں صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ ہزاروں واقعات ہو رہے ہیں،جن کے بارے میں معلومات عوام تک پہنچنا ان کا بنیادی حق ہے۔ہر چینل اپنی پالیسی کے مطابق خبر کو نشر کرتا ہے البتہ اگر پہلے بتا دیا گیا تھا کہ آپریشن کی لائیو کوریج نہیں کرنی تو پھر اس پر عمل ہونا چاہیے تھا کیونکہ لائیو کوریج سے بہت ساری باتیں سامنے آتی ہیں،جو نقصان دہ بھی ہوسکتی ہیں۔اگر کسی نے لائیو کوریج کی تھی تو اس کو اسی وقت وارننگ دیتے کہ لائیو کوریج نہ کریں ورنہ آپ کا چینل بند کر دیا جائیگا۔لیکن مکمل بلیک آؤٹ کر دیا گیا اور کہیں سے کوئی خبر نہیں آ رہی تھی۔اس یکطرفہ ایکشن کے خلاف اگر ہر چینل عدالت میں جائے اور کہے کہ ہمارا اتنا مالی نقصان ہوا ہے ہم نے لائیو کوریج روک دی تھی لیکن اس کے باوجود چینلز کو بند کر دیا گیا اور حکومت ہمارا مالی نقصان پورا کرے تو ان کی دادرسی ہوسکتی ہے۔کیونکہ طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کسی کے خلاف ایکشن لیا جاتا ہے تو اس سے پہلے شوکاز نوٹس جاری کیا جاتا ہے،اس کے بعد ایکشن ہوتا ہے۔میڈیا کو خبر دینے کا حق حاصل ہے تاہم بعض چینلز نے آپریشن کے حوالے سے ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سارے چینلز میں خبر کو آگے نشر کرنے کیلئے اہل سٹاف کی کمی ہے۔ہونا یہ چاہیے کہ ہر شفٹ میں اہل ایڈیٹرز ہونے چاہئیں جو اس اپنی ذمہ داری سے واقف ہوں اور ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔لیکن مجھے لگتا ہے کہ بعض چینلز میں ایڈیٹنگ ہوتی ہی نہیں۔یہ کام ذمہ داری کا متقاضی ہے۔یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون سی خبر دینے کے قابل ہے اس کیلئے ایک ایسی آنکھ ہونی چاہیے جو واقعی ہی ان معاملات کو سمجھ سکتی ہو۔

(بشکریہ روزنامہ دنیا)

لاپتہ کارکن کی رہائی کے لیے عدالت سے رجوع کرنے کا فیصلہ

انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والی تنظیموں کے کارکنوں نے 'آغاز دوستی' کے کنوینئر رضا محمود خان کی پراسرار گمشدگی پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے اور وفاقی اور صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا کہ رضا محمود کی فوری بازیابی کے موثر اقدامات کرے۔سماجی کارکنوں نے رضا محمود خان کی بازیابی کیلئے عدالت سے رجوع کرنے کا اعلان کیا اور بتایا کہ سوموار تک لاہور ہائیکورٹ میں حبس بے کی درخواست دائر کر دی جائے گی۔انسانی حقوق کے سرگرم اور خطے میں امن کے لیے کام کرنے والے کارکن رضا محمود خان دو دسمبر سے لاپتہ ہیں اور ان کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی ان کے بھائی کی مدعیت میں درج کرا دی گئی ہے۔لاہور پریس کلب میں مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب میں سماجی کارکنوں نے رضا محمود خان کی پراسرار طور پر لاپتہ ہونے پر تشویش ظاہر کی اور کہا کہ ایک انسانی حقوق کے ایک بے ضرر کارکن کا غائب ہونا جانا حکومت اور ریاست پر ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔سماجی کارکنوں نے کہا کہ ریاسی اور غیر ریاستی عناصر کے جانب سے انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والے لوگوں کی زبان بندی اور جبری گمشدگیوں پر پر روز احتجاج کرتے ہیں۔پریس کانفرنس کے دوران لاپتہ ہونے والے سماجی کارکن رضا محمود خان کے بھائی حامد ناصر بھی موجود تھے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کے بھائی کو جلد از جلد بازیاب کرایا جائے تاکہ انہیں اس کرب سے نجات مل سکے جس میں وہ اپنے بھائی کی گمشدگی کی وجہ سے مبتلا ہیں۔رضا محمود خان کا تعلق پنجاب کے سرحدی ضلع قصور ہے اور وہ لاہور میں اکیلا رہتے تھے۔سماجی کارکن رحیم الحق نے بتایا کہ دو دسمبر کی رات آٹھ بجے کے بعد سے رضا محمود خان اپنے دفتر سے روانہ ہوئے اور اس کے بعد سے وہ لاپتہ ہیں۔ان کے بقول تین دسمبر کو دوستوں نے ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو ان کا موبائل فون تھا اور ان کی سوشل میڈیا پر ان کی کوئی سرگرمی نہیں تھی۔رحیم الحق کے مطابق رضا محمود خان کے گھر کا تالا کھولنے پر ان کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اور ان کے کمرے کا سامان بکھیرا ہوا جبکہ ان کا کمپیوٹر بھی غائب تھا۔انہوں نے بتایا کہ ایف آئی آر درج ہونے کے باوجود ابھی تک رضا محمود کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی کہ وہ کہاں ہیں۔سماجی کارکن رحیم الحق نے واضح کیا کہ رضا محمود کی کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی اور وہ ایک پرامن کارکن کے طور پر ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے۔ایک سوال پر انہوں نے بتایا کہ انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے کس نے رضا محمود کو اغوا کیا۔رحیم الحق کے مطابق سکیورٹی فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے اور اس کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔رحیم الحق نے کہا کہ اگر غیر ریاستی عناصر نے رضا محمود کو اٹھایا ہے تو حکومت ان کی بازیابی کو یقینی بنایا اور اگر رضا محمود حکومتی تحویل میں ہیں تو پھر حکومت قانونی راستہ اختیار کرے۔سماجی کارکن سائرہ سہیل نے رضا محمود کے لاپتہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا کہ اور اگر کسی کو کوئی تحفظات ہیں تو اس کیلئے عدالتیں موجود ہے۔ان کے بقول خدارا لوگوں کو اس طرح اٹھانا چھوڑ دیا جائے۔قانون دان اسد جمال نے بتایا کہ رضا محمود کی جلد بازیابی کیلئے سوموار تک لاہور ہائیکورٹ میں حبس بے جا کی درخواست دائر کر دی جائے گی جس میں وفاقی اور صوبائی وزارت داخلہ کو فریق بنایا جائیگا۔ان کے بقول سپریم کورٹ بار کی سابق صدر عاصمہ جہانگیر درخواست کی پیروی کریں گے۔پریس کانفرنس میں سماجی کارکن سعیدہ دیپ نے اعلان کیا کہ رضا محمود کی پراسرار گمشدگی کے خلاف گیارہ دسمبر کو لاہور پریس کلب کے باہر احتجاج بھی کیا جائے گا۔

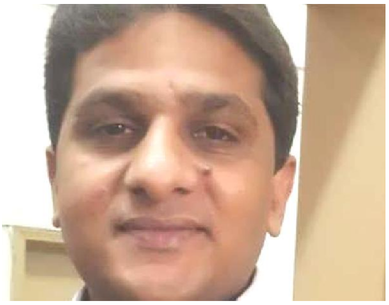

(بشکریہ بی بی سی اردو)

فاٹا کو کب آزادی ملے گی؟

عبدالرئوف یوسفزی

خیبر پختونخوا کے پہلے غیر مقبول وزیراعلیٰ قیوم خان نے 1944ء میں ایک کتاب ''گولڈ اینڈ گنز آن دی پٹھان فرنٹیئر'' لکھی تھی۔اس کتاب کے حوالے سے مکمل تفصیلات اگلے کالم میں لکھ دوں گا کہ کس طرح اس کتاب پر اس کے مصنف نے ہی پابندی لگا دی تھی۔قیوم خان کی سیاسی سوچ سے اختلاف اپنی جگہ مگر انھوں نے کتاب میں اس وقت کے فاٹا اور صوبہ کے حوالے سے جو منظرکشی کی ہے وہ بہت اہم دستاویز ہے۔خان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر فریڈم فائیٹرز کو اس وقت کے یا مستقبل کی کوئی بھی حکومت رام کرے گی تو اس کا واحد حل مقامی سطح پر ملازمت کے مواقع پیدا کرنا ہوں گے۔قیوم خان لکھتے ہیں کہ فاٹا میں تعلیمی ادارے بالکل بھی نہیں ہیں۔اس لیے سب سے پہلے پورے علاقے میں تعلیمی مواقع پیدا کرنا ہوں گے۔انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں فاٹا کے نوجوانوں کے لیے تعلیمی وظائف فراہم کرنے کی تجویز بھی دی۔قیوم خان چوں کہ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے اس وجہ سے ان کا مختلف طبقہ فکر کے لوگوں کے ساتھ میل جول رہتا تھا تھیں جس کی وجہ سے وہ صوبے کے لوگوں کی مشکلات سے بخوبی واقف تھے۔فرنگیوں کی حکومت تھی جس کا کام لوگوں کے حقوق کو غصب اور آزادی کے لیے اٹھنے والی ہر آواز کو دبانا تھا۔ڈیورنڈ لائن کی اس طرف کا پختون بلٹ غاصب انگریز کے خلاف ہر وقت گوریلا جنگ لڑ تا رہتا تھا جس کی وجہ سے یہ علاقہ بہت ہی بدنام تصور کیا گیا تھا۔اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن جیسا کالا قانون لاگو کیا گیا تا کہ آزادی کے خواہشمندوں کو بدترین سزائیں دی جائیں اور آنے والی نسل کبھی بھی غاصب کے خلاف آواز اٹھانے کی سوچ بھی نہ سکے۔اگرچہ ہندوستان تقسیم ہوا مگر فاٹا کے لوگوں کی قسمت نہیں بدلی کیونکہ ان کے لیے صرف آقا کی چمڑے بدلی سفید فرنگی افسر کی جگہ سانولے گندمی ملک یا خان نے لے لی تھی۔1901ء کا ایف سی آر آج بھی تقریبا 50 لاکھ لوگوں کے لیے ایسا قانون ہے جس کی مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ سب، ایک 18 گریڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ ہے۔پی اے ایجنسی کا بے تاج بادشاہ ہوتا ہے۔فاٹا میں سات قبائلی ایجنسیاں ہیں ٥ قیوم خان کے بعد میں تحریک آزادی کے اصل ہیرو خان غفار خان نے بھی مختلف فورمز پر فاٹا کے دھتکارے ہوئے نیم پاکستانیوں کے لیے آواز اٹھائی تھی مگر غفار خان کے ساتھ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی کبھی نہیں بنی کیونکہ تقسیم سے پہلے ان کی خدائی خدمتگار جماعت متحدہ ہندوستان کے حق میں تھی اگرچہ بعد میں آئینی اسمبلی میں حلف لینے کے بعد انھوں نے کہا تھا کہ اب ہمارا وطن پاکستان ہی ہے۔مگر انہیں کبھی پاکستانی نہیں سمجھا گیا۔فاٹا کو ایک لانگ ٹرم سوچ کے تحت وفاق کے ماتحت رکھا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ملٹری بیوروکریسی کی ڈیپ سٹیٹ کی پالیسیوں کو آکسیجن ملتی رہتی ہے۔اس کو دوام دینے کے لیے مختلف اوقات میں ایک خاص قسم کے سخت نظریاتی مذہب کی تبلیغ کروائی گئی جو اس وقت کے بین الاقوامی جاسوس اداروں کی مجبوری تھی تا کہ ملحد

۔فرنگیوں کی حکومت تھی جس کا کام لوگوں کے حقوق کو غصب اور آزادی کے لیے اٹھنے والی ہر آواز کو دبانا تھا۔ڈیورنڈ لائن کی اس طرف کا پختون بلٹ غاصب انگریز کے خلاف ہر وقت گوریلا جنگ لڑتا رہتا تھا جس کی وجہ سے یہ علاقہ بہت ہی بدنام تصور کیا گیا تھا۔اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن جیسا کالا قانون لاگو کیا گیا تا کہ آزادی کے خواہشمندوں کو بدترین سزائیں دی جائیں اور آنے والی نسل کبھی بھی غاصب کے خلاف آواز اٹھانے کی سوچ بھی نہ سکے۔

روس کو توحید کے مقدس جنگجوؤں کے ہاتھوں افغان بارڈر پر روکا جا سکے۔فاٹا میں گزشتہ ایک دہائی سے دہشت گردوں نے نہ صرف مقامی لوگوں بلکہ صوبہ کے دوسرے شہروں کے باسیوں کی زندگیاں بھی عذاب بنائی ہیں۔ان کی معاشرت، معیشت اور ثقافت تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہے ہیں۔قبائلی علاقوں میں ہزاروں سکولوں کو دھماکوں سے تباہ کر دیا گیا۔قبائلی علاقوں میں ہزاروں سکولوں کو دھماکوں سے تباہ کر دیا گیا۔ثقافتوں کی امین گندھارا تہذیب کے گڑھ کو تخت و تاراج کر دیا گیا۔ہزاروں سال پہلے علم کی روشنی سوات، بونیر، چارسدہ، پشاور، تخت بھائی اور ٹیکسلا سے پھیلتی تھی مگر اب قصہ الٹ ہے۔بندوق، خودکش حملے اور عسکریت پسندی اس خطے کی پیداوار ہے۔منگل باغ، بیت اللہ، حکیم اللہ اور فضل اللہ سمیت اور دوسرے جنگجو اسی گندھارا سرزمین کے لوگ تھے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ انسانیت سے کیونکر اتنے بدظن ہو گئے کہ لوگوں کی جان لینا ان کا مشغلہ بن گیا۔اگر آپ بھی آج فاٹا کا وزٹ کر لیں تو سیکڑوں کی تعداد میں برباد سکولوں کی عمارتیں آپ کو نظر آئیں گی۔ان لوگوں کے بزرگ ایک زمانے میں پوری دنیا کو علم پہنچاتے تھے۔لوگ یہاں پر سیکھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔علم کے مشعل بردار یہاں سے ہجرتیں کرتے تھے۔سوال تو یہی ہے کہ علم کی نور کے پاسباں اس شمع کو بجھانے کے لیے کیوں آخری حد تک گئے؟ گزشتہ ایک دہائی سے فاٹا کے لوگ مختلف آئی ڈی پیز کیمپ میں پناہ گزین ہیں۔جس کی زندہ مثال بکا خیل کیمپ کی ہے وہاں پر آج بھی درجنوں کی حساب سے لوگ راشن کے لیئے قطاروں میں خوار ہو رہے ہیں۔پاکستانی پالیسی سازوں کے اس رویئے کی وجہ سے ان میں یہ احساس گہرا ہوتا جا رہا ہے کہ یہ لوگ اس وطن میں دوسرے شناختی کارڈز ہولڈرز سے کم تر درجہ رکھنے والے پاکستانی ہیں۔مہاجر کیمپ کی زندگی بہت اذیت ناک ہوتی ہے۔بکا خیل کے مہاجر کیمپ میں تعلیم کے محدود مواقع ہیں۔مہاجر کیمپ کی زندگی بہت اذیت ناک ہوتی ہے۔بکا خیل کے مہاجر کیمپ میں تعلیم کے محدود مواقع ہیں۔آئی ڈی پیز ہونے کی وجہ سے قبائیلوں کی پوری نسل غیر تعلیم یافتہ ہے۔یہ جوان جب ملازمت یا مزدوری کے لیے دوسرے شہروں میں جائیں گے تو وہاں کی تعلیم یافتہ نسل کو اپنی موجودہ صورت حال کی ذمہ دار سمجھیں گے تو پھر ایک اور قسم کے تصادم کا خطرہ موجود رہے گا۔وفاقی حکومت نے ابھی تک پاکستانی آئین کو فاٹا میں نافذ نہیں کیا یعنی یہاں کے لوگوں کے بنیادی حقوق کو تسلیم نہیں کیا گیا۔فاٹا کے رہائشی پاکستانی آئین کے تحت اپنی زندگیاں گذارنا چاہتے ہیں تا کہ انہیں بھی برابر کا شہری سمجھا جائے۔لاکھوں کی تعداد میں قبائلی ہر روز اپنے آپ کو محب وطن ثابت کرنے کا جتن کرتے ہیں مگر اسلام آباد اور قریبی شہر میں بیٹھے دوسروں کی قسمتوں کے فیصلے کرنے والوں کو نہ فاٹا کی آواز سنائی دیتی ہے اور نہ قبائلی علاقوں میں پاکستانی جھنڈے لہرانے والے نظر آتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ مشرق)

مذہبی اقلیتوں کے لیے طرزِ انتخاب کیا ہو؟

پیٹر جیکب

روزنامہ ایکسپریس ٹربیون کی اشاعت 26 اکتوبر 2017ء میں محترم سرور باری صاحب نے مذہبی اقلیتوں کے لئے موزوں طرزِ انتخاب کے ضمن میں تجویز دی ہے کہ قومی اسمبلی کے اُن 28 حلقوں میں جہاں مذہبی اقلیتوں کے 25 ہزار یا اس سے زیادہ ووٹر موجود ہیں، انہیں کثیر نمائندگی کے حلقے بنا دیا جائے جن میں جنرل سیٹ کے امیدوار کے علاوہ اقلیتی مخصوص نشستوں پر بھی انتخاب ہو۔ تا کہ مذہبی اقلیتیں مخصوص نشستوں پر براہ راست انتخاب سے اپنے نمائندے منتخب کر سکیں۔ اِسی طرح کہیں اقلیتی افراد کے لیے دوہرے ووٹ کی اور کہیں جنرل نشستوں پر حلقے مخصوص کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ تجاویز دینے والے احباب کی نیت پر شک نہیں۔ بظاہر یہ تجاویز معصوم سی لگتی ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو مخلوط انتخابات کی بحالی کے بعد سیاسی نظام کے اعتبار سے یہ تجاویز مخالف سمت کا سفر ثابت ہو سکتا ہے۔ آیئے پہلے سرور باری صاحب کی پیش کردہ تجاویز کے عواقب کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ یہ مفروضہ کہ ووٹر اور نمائندہ ہم مذہب ہوں تو بہتر سیاسی نمائندگی ہو سکتی ہے منطقی نہیں لگتا۔ دنیا میں چند ہی سیاسی نظام ایسے ہوں گے جہاں اِس مفروضہ کو اب بھی قابل عمل سمجھا جاتا ہے اور یہ ممالک سیاسی نظام کی کوئی درخشاں مثال نہیں ہیں۔ جنوبی ایشیا میں اِس مفروضہ کو جب جب اور جہاں جہاں استعمال کیا گیا وہاں پر سیاست اور تمدن دونوں پر برے اثرات مرتب ہوئے۔ سماجی رشتے تفریق کا شکار رہے۔ پاکستان کے حالیہ نظام میں بھی اس کا اطلاق ماضی کی آلائشوں کو دھونے کی غرض اور ایک عملی ضرورت کے ناطے سے ہو رہا ہے۔ ورنہ مذہبی بنیاد پر مخصوص نشستوں کی منطقی اور اطلاقی بنیادیں تو کمزور ہیں۔

2۔ اگر مندرجہ بالا تجویز پر عمل کرتے ہوئے 28 قومی حلقوں کو کثیر نمائندگی کے حلقے بنانے کی تجویز پر عمل کر لیا جائے تو لامحالہ اِن حلقوں کی پہچان اقلیتی مذاہب کے حوالہ سے ہو جائے گی۔ ممکنہ طور پر پنجاب میں کچھ حلقے مسیحی شناخت اختیار کریں گے تو سندھ میں کچھ حلقے ہندو ہو جائیں گے۔ تو پہلا سوال یہ ہوگا کہ آیا مجوزہ طریقہ کار سے پنجاب کے مسیحیوں اور سندھ کے ہندوؤں کے لیے تحفظ اور ترقی کے امکانات یقینی ہو جائیں گے یا ان کو درپیش چیلنجز میں اضافہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ ملک کو ابھی دہشت گردی اور دھرنہ باز گروہوں سے چھٹکارا حاصل کرنے میں وقت لگ سکتا ہے اور ابھی تک ماضی میں اقلیتی آبادیوں پر ہونے والے حملوں کے اثرات باقی ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب 28 حلقوں کو ایک مذہبی شناخت کی بنیاد پر منفرد طرز نمائندگی مل جائے گا تو باقی 244 حلقے اپنے اپنے مسلک کی مذہبی شناخت کو نمایاں کرنے کی آزمائش سے کیوں کر باز رہیں گے۔ جب ان کا شوق پورا نہیں ہوگا تو پھر اُن کے لیے کون سا طرزِ انتخاب تجویز کیا جائے گا۔

> پاکستان میں سیاسی سماجی حقائق، جمہوری اصولوں کی پاسداری اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے پیش نظر سب سے پہلی کوشش تو یہ ہونی چاہیئے کہ وہ طرزِ انتخاب اپنایا جائے جس میں سماجی، سیاسی و مذہبی یگانگت کے اسباب پیدا ہونے کا امکان زیادہ ہو/ خصوصاً مذہبی تعصبات کے خاتمے کی سبیل موجود ہو۔ پاکستان میں اکیس برس تک جداگانہ طرزِ انتخاب رائج رہا جس میں ووٹر صرف اپنے ہم مذہب امیدواروں کو ووٹ دینے کے مجاز تھے۔ اس نظام کے تحت دو مقامی حکومتوں اور پانچ عام انتخابات ہوئے، جو مذہبی امتیاز اور مذہبی انتہا پسندی کے لئے سازگار فضا بنانے میں کام آئے۔ اور پھر مذہبی تفریق کا بیج ہر صحن میں بو دیا گیا جس کی جڑی بوٹیاں تلف کرنا آج مشکل ہو رہا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ باقی حلقے (244 قومی اسمبلی) جن میں بہرحال 15 لاکھ کے قریب اقلیتی ووٹر رہیں گے اُن کو مجوزہ سیاسی نمائندگی اور تحفظ وغیرہ کی ضرورت کیوں پیش نہیں آئے گی۔

پاکستان میں بسنے والی مذہبی اقلیتوں کی بانوے فیصد آبادی ہندو یا مسیحی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور مذہبی شناخت پر سیاسی نمائندگی کے مجوزہ کلیے کے مطابق قومی و صوبائی اسمبلیوں میں انہی دو برادریوں کے افراد کے جیتنے کا امکان ہے لہذا اس تجویز کو مان لیں تو بہائی، سکھ، بدھ مت اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے قانون ساز اداروں میں جگہ پانے کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔

حالیہ طرزِ انتخاب میں یہ امکان تو ہے کہ وہ مذہبی اقلیتیں جو تعداد میں انتہائی کم ہیں ان سے تعلق رکھنے والے افراد بھی سیاسی ایوانوں/ سیاسی عمل کا حصہ بن سکتے ہیں۔ اگر اس تجویز کو مان لیں تو خاص طور پر بلوچستان اور خیبر پختون خواہ میں بسنے والی مذہبی اقلیتوں کے لیے ایوانوں کے دروازے بند ہوتے نظر آئیں گے کیونکہ 95 فیصد اقلیتی آبادی پنجاب اور سندھ میں آباد ہے۔

باری صاحب کا یہ اعتراض درست ہے کہ 1985ء کے بعد قومی و صوبائی اسمبلیوں کی مخصوص نشستوں میں اضافہ نہیں کیا گیا۔ صوبائی اسمبلیوں اور قومی اسمبلی کی جنرل نشستوں میں اضافہ کیا گیا ہے تو مخصوص نشستوں پر بھی اضافہ ہونا چاہیے تھا لیکن اِس تجزیہ میں یہ بات نظر انداز کر دی گئی کہ 2013ء سے 2018ء کی ٹرم میں کم از کم چار ایوانوں میں مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے نمائندگان کی تعداد آئین میں مقرر کردہ نشستوں سے زیادہ ہے مثلاً سینٹ میں چار کی بجائے پانچ سینیٹر ہیں، قومی اسمبلی میں دس کی بجائے تیرہ، پنجاب اسمبلی میں آٹھ کی بجائے گیارہ اور سندھ اسمبلی میں نو کی بجائے دس نمائندگان ہیں۔ گویا سیاسی عمل میں مذہبی اقلیتوں کے لیے کشادگی پیدا ہونے کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مذکورہ تجاویز میں حالیہ نظام کی جن کامیابیوں کو نظر انداز کیا گیا ہے وہ کوئی معمولی بھی نہ تھیں۔ شاید احباب مذہبی اقلیتوں کی براہ راست نمائندگی کو زیادہ اہم خیال کرتے ہوئے مخلوط طرزِ انتخاب میں پائی جانے والی حقوق کی برابری کی اہمیت پر توجہ نہیں کر پائے۔ اُن کا خیال ہے کہ نمائندگی کی براہ راست اور مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے تو پاکستان میں تکثیریت اور مذہبی تنوع کی منزل آسانی سے مل جائے گی لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان جیسے ملکوں میں جہاں پر جمہوریت کمزور، سماج میں صنف، علاقہ اور مذہب وغیرہ کے حوالے سے نا برابری پائی جاتی ہے۔ اور وہاں مخصوص نشستوں کے نظام ایسے کلیئے سیاسی نظام کا حصہ تو بنائے گئے ہیں مگر یہ متعصّبانہ سماجی رویوں کی درستی اور سیاسی نظام کی اصلاح کا سبب نہیں بن سکے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر پسماندگی کو دور کرنے اور نا برابری کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ کار نظام کی مستقل ضرورت بن جائے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ نظام اپنے مقاصد میں ناکام ہو گیا ہے یعنی پسماندگی

دور نہیں ہو رہی یا پھر یہ طریقہ سیاسی نظام میں ادارہ جاتی امتیاز کا حصہ بن گیا ہیں۔

پاکستان میں سیاسی سماجی حقائق، جمہوری اصولوں کی پاسداری اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے پیش نظر سب سے پہلی کوشش تو یہ ہونی چاہیئے کہ وہ طرزِ انتخاب اپنایا جائے جس میں سماجی، سیاسی و مذہبی یگانگت کے اسباب پیدا ہونے کا امکان زیادہ ہو/ خصوصاً مذہبی تعصّبات کے خاتمے کی سبیل موجود ہو۔ پاکستان میں اِکیس برس تک جداگانہ طرزِ انتخاب رائج رہا جس میں ووٹر صرف اپنے ہم مذہب امیدواروں کو ووٹ دینے کے مجاز تھے۔اس نظام کے تحت دو مقامی حکومتوں اور پانچ عام انتخابات ہوئے، جو مذہبی امتیاز اور مذہبی انتہا پسندی کے لئے سازگار فضا بنانے میں کام آئے۔اور پھر مذہبی تفریق کا بیج ہر صحن میں بو دیا گیا جس کی جڑی بوٹیاں تلف کرنا آج مشکل ہو رہا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی حالت پتلی ہے۔سماجی انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے آئینی، سیاسی اور خصوصی تحفظ کی ضرورت ہے۔ مذہبی اقلیتوں کی معاشی حالت نے حکومت کو یہ احساس دلایا کہ سرکاری ملازمتوں میں مذہبی اقلیتوں کا کوٹہ مخصوص ہونا چاہیے۔ دیگر ملکوں میں بھی ایسے اقدامات حقوق کی برابری کو ممکن بنانے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ یہ درست کہ کئی مغربی ممالک میں اقلیتوں اور تارکین وطن کو سیاسی نظام میں شامل کرنے کا عمل تیزی سے بڑھایا ہے۔جس سے ان معاشروں میں سیاسی استحکام، مذہبی تنوع اور ہم آہنگی کی بنیادیں مضبوط ہوئی ہیں لیکن وہاں پر مندرجہ بالا اہداف نشستیں مخصوص کرنے سے نہیں بلکہ سیاسی اتفاق رائے اور شعوری سماجی عمل کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پاکستان میں اگر مذہبی شناخت کی بنیاد پر مخصوص نشستوں کو انتخابی حلقوں تک پھیلا دیا جائے مختلف جغرافیائی اکائیوں کو ایک نئی مذہبی شناخت مل جائے تو ایک مرتبہ پھر ان حدود سے باہر رہنے والے لوگ کسی نئی شناخت کے سفر پر نکل پڑیں گے کیا معلوم یہ شناخت کسی مذہب، مسلک سے آگے بڑھ کر کوئی بھیانک شکل اختیار کر لے۔

خصوصی اقدامات کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن پاکستان میں پسے ہوئے، پچھڑے ہوئے، کمزور طبقات کے حقوق کا احترام اور تحفظ اس بات سے مشروط ہے کہ فرد کی آزادی اور جمہوری اصولوں کا احترام بھی ہو۔ جتنا کمزور جمہوری نظام ہوگا اتنا ہی مذہبی اقلیتوں کے حقوق اور انکے تحفظ کی ضمانت دینا مشکل ہوگا۔ یہ بھی تسلیم کہ پاکستان میں حقیقی جمہوری نظام اور رواجوں کو لاگو کرنے کی مشکلات کا سامنا ہے۔لیکن یہ ممکن بنانے کے لئے انتخابی نظام کو غیر ضروری پیچیدگیوں سے بچانا بھی تو لازمی ہے۔خاص طور پر وہ تجاویز جن کے اثرات معلوم یا مشکوک ہیں۔طرزِ انتخاب کی بحث میں جداگانہ انتخاب کا تجزیہ اور الیکشن ایکٹ 2017 کے ضمن میں پیدا ہونے والے بحران کو سامنے رکھیں تو کوئی ایسی تجویز جو سیاست اور تمدن میں پائے جانے والی مذہبی تقسیم کو گہرا کر دے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

محترم سرور باری اور تمام ایسے ساتھیوں کو جو انسانی حقوق اور عوام کی حاکمیت کی جدو جہد کر رہے ہیں انہیں سکڑتی زمین اور کھلتے ہوئے آسمان دونوں سے واسطہ ہے۔امید ہے وہ کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کریں گے۔

افیون آمیز اجزا

فریال لغاری

اقوام متحدہ کے آفس فار ڈرگز اینڈ کرائم کی افغانستان میں افیون پر تازہ ترین رپورٹ پر پاکستان میں بھی تشویش کی لہر پیدا ہو جانی چاہئے۔ یو این او ڈی سی نے خبردار کیا ہے کہ افغانستان میں افیون کی پیداوار میں انچاس فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مقامی طور پر اور بین الاقوامی مارکیٹ میں منشیات سستے داموں دستیاب ہوں گی۔کیا کیا جائے اگر یہ پیش گوئی پاکستان کے بارے میں ہو؟ پہلے اس کا اثر منشیات کے غلط استعمال مقامی سطح پر ہوگا جس کی صورتحال پہلے ہی تشویشناک ہے وہ اور بھی خراب ہو جائے گی۔ملکی معیشت اور صحت کے شعبے پر بوجھ کا پتہ دیتے ہوئے منشیات کا استعمال کرنے والی آبادی سالانہ بنیادوں پر بڑھ رہی ہے اور اس کے اعداد و شمار دو ہزار چھیانوے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔اقوام متحدہ کے اندازوں کے مطابق ملک میں سالانہ تقریباً بیس ٹن اصل ہیروئن استعمال کی جاتی ہے اور یہ صرف ہیروئن ہی ہے اور بھنگ بھی اس سے پیچھے نہیں۔سب سے اوپر دیسی منشیات ہیں، مغرب اور امریکا سے درآمدہ مصنوعی منشیات بھی ہیں۔ یوں ایک وسیع حلقے میں منشیات کا استعمال ہوتا ہے یہاں تک کہ منشیات کا استعمال اسکول کے بچوں تک بھی پہنچ چکا ہے۔دوسرا اثر یہ ہوگا کہ مقامی گروپوں کو دہشت گردی پر اکسانے کے لئے منشیات کے ذریعے کمایا گیا پیسہ سہولت کاری کے لئے استعمال ہوگا اور اس رجحان میں اضافہ ہوگا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ منشیات کے استعمال کو روکنے میں ناکامی ہمارے معاشرے میں ایک اور غیر ذمہ داری ہے۔ یہ اقلیتوں کے معاملات سے نمٹنا ہو، توہین مذہب کے قانون کا غلط استعمال ہو، بڑھتی ہوئی لاقانونیت ہو، مقامی سطح کی کرپشن ہو، عورتوں اور بچوں کا استحصال ہو یہ آسانی سے ملا دیئے جاتے ہیں۔ ابھی تک اس بات میں حیرت کا اظہار نہیں کیا جاتا کہ منشیات کے استعمال کی صورت قابل قبول ہے۔ہم نے پلوں کے نیچے بہت سا پانی گھسنے دیا ہے۔ یو این او ڈی سی کیساتھ اشتراک کے ساتھ اینٹی نارکوٹکس فورس اور دیگر ایجنسیاں کسی حد تک کامیاب ہوئی ہیں خاص طور پر ملک میں پوست تلف کرنے میں لیکن منشیات کے خلاف جنگ مسلسل جدوجہد ہے۔ ہم نہ صرف افغانستان کیساتھ دو ہزار چار سو تیس کلومیٹر طویل کھلی سرحد کے پار شرپسندوں کی مانیٹرنگ کے معاملات شیئر کرتے ہیں بلکہ منشیات اور انسانی اسمگلنگ پر بھی نظر رکھنا ہوتی ہے۔ افغانستان تک یہ راستہ پاکستان اور دیگر علاقوں میں منشیات کے استعمال کی وجہ بنتا ہے۔ اس اسمگلنگ میں افیون اور ہیروئن میں استعمال ہونے والے اجزا بھی شامل ہیں۔سرحد کے ساتھ منشیات تیار کرنے کی عارضی لیبارٹریاں منشیات پیدا کرنے کے سلسلے کا حصہ ہیں۔ انسانی اسمگلنگ اور منشیات اور ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے درمیان براہ راست ربط اور عدم استحکام کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس بات میں حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ افغان افیون کی نصف پیداوار ہلمند میں ہوتی ہے۔ کسانوں کو متبادل کے طور پر دیگر نقد آور فصلوں کی طرف لے جانے میں سہولت کاری اور حوصلہ افزائی اور امریکا اور نیٹو فورسز کی جانب سے افیون کی زبردستی تلفی کی افیون کے کاشتکاروں کی جانب سے پہلے سخت مزاحمت کی گئی کہ علاقے کی سکیورٹی اور کنٹرول کے حصول کو پہلی ترجیح سمجھنا پڑا۔ باوجود اس کے کہ کابل کے کنٹرول کے حوالے سے بہت دعوے کئے گئے مگر حقائق اس کے برعکس ہیں۔ اس کے نواح میں شرپسند اور افیون پیدا کرنے والے اپنے ٹھکانوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ابھی اس بات میں حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ کابل میں یو این او ڈی سی کے سربراہ جین لک لی ماہیو کی رپورٹ کے مطابق یہ علاقہ دو ہزار دس سے سیاسی لحاظ سے گرما گرم سیاسی مارکیٹ کال میں پوست کی طلب اور رسد میں اضافہ ہوا ہے۔ منشیات کی تجارت واضح طور پر غیر یقینی اور سیاسی عدم استحکام کو بڑھا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ افغانستان کے بعض حصوں میں زعفران کی کاشت کاشتکاروں میں متبادل نقد آور فصل کے طور پر مقبولیت حاصل کر رہی ہے تاہم یہ رجحان پوست کی کاشت کے رجحان پر کس حد تک غالب آیا یہ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔شہری علاقوں اور یہاں تک کہ دیہی علاقوں میں منشیات کا بڑھتا ہوا استعمال اس وقت تشویشناک امر ہے۔اس رجحان پر قابو پانے کے لئے ذاتی، معاشرتی سطح پر اور تنظیموں کی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی وقت ہے کہ اس سلسلے میں کچھ کر لیا جائے جو ہو سکتا ہے۔

سفید چھڑی کے تحفظ کا عالمی دن

حیدرآباد بصارت سے محروم افراد کی تنظیموں کے اشتراک سے چھڑی کے تحفظ کے عالمی دن پر پریس کلب آڈیٹوریم میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں پاکستان بلائنڈ ایسوسی ایشن کے صدر مظفر علی قریشی، ایچ ڈبلیو اے بی کے صدر عبدالرشید، شاہد احمد میمن، ڈسٹرکٹ گورنر ہوپ لائنز کلب حیدرآباد محمد اسلم خان، صدر کامران احمد سمیت بصارت سے محروم افراد کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ نابینا بچوں نے سفید چھڑی کے تحفظ پر تقاریر اور ملی نغمے بھی پیش کیے۔ تقریب کے اختتام پر ان میں سفید چھڑی اور گھڑیاں تقسیم کی گئیں۔ مقررین کا کہنا تھا کہ خصوصی افراد کی مدد اور خدمت ہمارا قومی، اخلاقی اور دینی فریضہ ہے۔ ایسے لوگوں کی مدد عبادت سے کم نہیں۔ ہمیں ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا چاہیے تاکہ ان میں کسی قسم کا احساس محرومی پیدا نہ ہو۔ اے ڈی پیرزادہ نے کہا کہ ان کی تنظیم نابینا بچوں کو مفت تعلیم وقتی تربیت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ سہارا خاندانوں کو راشن، عید پر کپڑے اور مالی کفالت بھی کرتی ہے۔ ان کے ادارے میں اس وقت 25 نابینا بچے زیر تعلیم ہیں۔ (لالہ عبدالحلیم)

ایک شخص قتل

ہرنائی ضلع ہرنائی کے علاقے زندہ پسیر کے توڑی منا کے قریب گھریلو ناچاقی کی وجہ سے عبدالمنان نامی شخص کو ان کے اپنے قبیلے کے لوگوں نے کلہاڑی کے وار کر کے شدید زخمی کر دیا۔ بعدازاں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گیا۔ واقعہ 10 اکتوبر کو پیش آیا تھا۔

(حمیداللہ کاکڑ)

پاکستان میں گھریلو تشدد کی پردہ پوشی کیوں؟

اسلام آباد اپنوں کے ہاتھوں اپنے ہی گھر میں تشدد کا نشانہ بننا بدقسمتی سے پاکستانی خواتین کے لیے اجنبی تصور نہیں ہے۔ گھریلو تشدد کو چند برس پہلے تک تو پاکستان میں جرم سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔ خیبر پختونخوا کے علاوہ باقی صوبوں میں قانون سازی کے بعد یہ عمل اب قانون کی نظر میں جرم تو بن گیا ہے لیکن معاشرے کے ایک بڑے طبقے میں اسے اب بھی معمول کی بات ہی سمجھا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام عالمی سطح پر خواتین کو گھریلو تشدد سے بچانے کے لیے ایک مہم کا آغاز کیا گیا ہے جو 10 دسمبر تک جاری رہے گی۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والی بہت سی زیادتیوں کی طرح گھریلو تشدد بھی ایک طرح کا عزت کا مسئلہ بنا لیا گیا ہے جسے دوسروں سے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھریلو تشدد یا رشتہ داروں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بننے کے بیشتر واقعات منظر عام پر ہی نہیں آتے۔ عورت فاؤنڈیشن نامی خواتین کے حقوق کی تنظیم کی عہدیدار صائمہ منیر کے بقول گھریلو تشدد کو روکنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی پردہ پوشی ہے۔ ’پاکستان میں یہ ظلم بہت عام ہے لیکن اس پر آواز نہیں اٹھائی جاتی۔ بیشتر خواتین اسے معمول کی بات سمجھ کر خاموش ہو جاتی ہیں یوں یہ تشدد بڑھتا چلا جاتا ہے۔‘ اس خاموشی اور پردہ پوشی کی وجہ سے اس جرم کے بارے میں درست اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ صائمہ منیر کے مطابق تشدد کا شکار خواتین اس جرم کو پولیس میں رپورٹ نہیں کرتیں اس لیے اس جرم کے بارے میں درست اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ اس سب کے باوجود گھریلو تشدد کے بارے میں بعض تنظیموں کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ پاکستان میں ہر دوسری خاتون اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی گھریلو تشدد کا شکار رہی ہے۔ آغا خان فاؤنڈیشن کی گذشتہ برس ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق اس تشدد کی وجہ سے بیشتر خواتین جسمانی اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس تاریکی میں امید کی کرنیں بھی موجود ہیں۔ یہ وہ خواتین ہیں جو پاکستانی معاشرے میں مختلف طرح کے ظلم اور زیادتی کی شکار خواتین کو بااختیار بنا رہی ہیں۔ پشاور کے مضافاتی علاقے ارمڑ کی 16 سالہ رضیہ بی بی جب شوہر اور ساس کے مبینہ تشدد سے تنگ آ کر اپنے میکے آئیں تو ان کی ماں نے انھیں سمجھا بجھا کر شوہر کے گھر واپس بھیج دیا کہ شادی شدہ زندگی میں ایسا ہو جاتا ہے۔ یہ عمل جب کئی بار دہرایا گیا اور ہر بار ماں کے کہنے پر گھر لوٹنے والی رضیہ بی بی پر پہلے سے زیادہ تشدد کیا گیا اور جب یہ تشدد اسے شادی شدہ زندگی کا حصہ لگنے لگا تو رضیہ نے اپنی زندگی ہی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ رضیہ بی بی کی خودکشی کی کوشش اور ’معمول‘ کی شادی شدہ زندگی دونوں ناکام ہو چکی ہیں۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والی بہت سی زیادتیوں کی طرح گھریلو تشدد بھی ایک طرح کا عزت کا مسئلہ بنا لیا گیا ہے جسے دوسروں سے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھریلو تشدد یا رشتہ داروں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بننے کے بیشتر واقعات منظر عام پر ہی نہیں آتے۔ عورت فاؤنڈیشن نامی خواتین کے حقوق کی تنظیم کی عہدیدار صائمہ منیر کے بقول گھریلو تشدد کو روکنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی پردہ پوشی ہے۔ ’پاکستان میں یہ ظلم بہت عام ہے لیکن اس پر آواز نہیں اٹھائی جاتی۔ بیشتر خواتین اسے معمول کی بات سمجھ کر خاموش ہو جاتی ہیں یوں یہ تشدد بڑھتا چلا جاتا ہے۔‘

(بشکریہ بی بی سی)

پسند کی شادی کرنے والے جوڑے کا مبینہ قتل

کراچی پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں پولیس کا کہنا ہے کہ پسند کی شادی کرنے والے ایک جوڑے کو برادری کے فیصلے کے تحت قتل کرنے کے بعد خاموشی سے دفن کر دیا گیا، پولیس نے لڑکے کے والد سمیت نو افراد کو حراست میں لے لیا ہے۔ ایس ایس پی اورنگی ساجد بلوچ نے بی بی سی کے نامہ نگار ریاض سہیل کو بتایا کہ رواں ماہ کی 19 تاریخ کو ایک جوڑے نے مومن آباد میں ایک کمرے کا گھر کرائے پر لیا تھا، 24 نومبر کو گھر کے مالک کو محلے داروں نے بتایا کہ آپ نے جو گھر کرائے پر دیا ہے اس کا دروازہ کھلا ہے اور اندر خون پڑا ہے۔ ایس ایس پی کے مطابق ’پولیس جب جائے وقوعہ پر پہنچی تو کمرے کے اندر اور باہر خون کے نشانات موجود تھے جبکہ لاشیں نہیں تھیں اور گولی کے خول یا آلہ وغیرہ بھی دستیاب نہیں تھا۔ ایس ایس پی ساجد بلوچ کے مطابق پولیس نے 9 مشتبہ افراد کو حراست میں لیا ہے، جن میں لڑکے کا چچا، والد اور دیگر رشتے دار شامل ہیں جبکہ لڑکی کے والد، بھائی اور جہاں اس کی منگنی کی گئی تھی وہ فرار ہو گئے ہیں۔ پولیس کا کہنا ہے کہ گرفتار ملزمان کی نشاندہی پر بلدیہ میں واقع قائم خانی قبرستان سے لاشیں برآمد کی گئی ہیں اور یہ لاشیں بوری میں بند تھیں، لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے عباسی شہید ہسپتال منتقل کیا گیا ہے۔ تاہم ابتدائی طور پر ایسا ہی لگتا ہے کہ دونوں کو چاقو مار کر قتل کیا گیا ہے۔ ایس ایس پی ساجد بلوچ کا کہنا ہے کہ عبدالہادی اور حسیناں کی عمر 20 سے 30 سال کے درمیان ہیں، دونوں نے ڈیڑھ مہینہ قبل گھر سے فرار ہو کر پسند کی شادی کی تھی، اب تفتیش میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ جائے وقوع سے پہلے وہ کہاں رہائش پذیر تھے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دونوں خاندان آپس میں رشتے دار ہیں، ان کا اصل تعلق کوہستان سے ہے جبکہ کراچی میں وہ بلدیہ ٹاؤن کے علاقے نواب کالونی میں رہتے ہیں۔ ہادی اور حسیناں کی شادی پر خاندان راضی نہیں تھا، دونوں کے فرار ہونے پر گھر والے ناراض تھے۔ مومن آباد تھانے میں قید ہادی کے والد نے صحافیوں سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ پولیس نے ان پر الزام عائد کیا ہے کہ ہم نے ہادی اور مسکین کی بیٹی کو مشورے سے غیرت کے نام پر قتل کیا ہے لیکن دونوں کو مسکین نے قتل کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ’مسکین ہادی کا سگا ماموں ہے، اس نے قتل کرنے کے بعد ہمیں بندہ بھیجا کہ تمہارا بیٹا میری بیٹی کے ساتھ تھا وہ پہلے بھی اسے بھگا کر لے گیا تھا ہم نے دونوں کو مار دیا ہے۔‘

(بشکریہ بی بی سی اردو)

اسلام کی آڑ میں توہین آمیز زبان کے استعمال کی اجازت نہیں

اسلام آباد سپریم کورٹ آف پاکستان نے دارالحکومت میں فیض آباد انٹرچینج پر مذہبی جماعتوں کی جانب سے 20 دن تک جاری رہنے والے دھرنے کے پس منظر میں فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ سیاست کی خاطر اسلام کی آڑ میں کسی کو بھی توہین آمیز زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جسٹس مشیر عالم اور جسٹس قاضی فائز عیسیٰ پر مشتمل سپریم کورٹ کے دو رکنی بینچ کے جاری کردہ 8 صفحات پر مشتمل فیصلے میں کہا گیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 19 کے تحت آزادی اظہار رائے کے ساتھ ساتھ آزادی صحافت کو بھی ایک بنیادی حقوق کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جب اسلام کی عظمت یا سلمیت، پاکستان کی سلامتی یا دفاع یا اخلاقیات، یا توہین عدالت یا جرم کی حوصلہ افزائی کے لیے اسے استعمال کیا جائے تو اسے محدود کیا جاسکتا ہے۔ عدالت عظمیٰ کے فیصلے میں کہا گیا کہ کسی کو بھی سیاسی ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے اسلامی وجہ کو آڑ بنا کر اسلام کو بدنام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے، اسلام میں طاقت اور جبر کی کوئی جگہ نہیں، اسلام کے معنیٰ امن کے ہیں۔ اس سے قبل 30 نومبر کو سپریم کورٹ میں فیض آباد دھرنے سے متعلق نوٹس کی سماعت میں عدالت نے اعلان کیا تھا کہ وہ اس مقدمے سے متعلق تفصیلی فیصلہ بعد میں جاری کرے گی۔ بینچ نے وفاقی دارالحکومت کی انتظامیہ کی جانب سے دھرنے کی میڈیا کوریج کو جائز قرار دینے پر تحفظات کا اظہار کیا اور کہا کہ پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) اپنی اہلیت کا استعمال کرے اور اس الیکٹرانک میڈیا سے متعلق قوانین پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ پیمرا کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام میڈیا چینلز کے بارے میں ایک جامع رپورٹ عدالت میں جمع کرائے۔ اپنے حکم نامے میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ اٹارنی جنرل اشتر اوصاف کی مدد سے اس پر بعد میں غور کیا جائے گا کہ آیا ڈپٹی اٹارنی جنرل سہیل محمود کے ذریعے جمع کرائی گئی انٹر سروس انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) اور انٹیلی جنس بیورو (آئی بی) کی رپورٹ کو ریکارڈ کا حصہ بنایا جائے یا نہیں۔ دو رکنی بینچ نے غور کیا کہ پاکستان کے عوام اس بات کو جاننے کے حقدار ہیں کہ دھرنے کی وجہ سے کتنی انسانی جانوں اور املاک کو نقصان پہنچا، جس پر عدالت نے وزارت دفاع اور وزارت داخلہ کو حکم دیا کہ وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں، عوام اور مظاہرین میں اپنی جانے گوانے والوں یا زخمی ہونے والوں کی تفصیلات فراہم کرے۔ عدالت نے وزارتوں کے حکام کو مزید ہدایت دی کہ دھرنے کے مظاہرین کی جانب سے عوامی اور نجی املاک کو نقصان پہنچانے یا تباہ کرنے کی بھی تفصیلات پیش کی جائیں جبکہ مطلوبہ معلومات چاروں صوبوں اور اسلام آباد سے جمع کی جائیں۔ فیصلے میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ جب ریاست کے خلاف تشدد، عوامی اور نجی املاک کو نقصان پہنچایا جا رہا تھا تو اسے بغیر کسی تشدد کی مذمت کے نشر کیا جا رہا تھا، جس نے نہ صرف مظاہرین کو ایک موقع فراہم کیا بلکہ انہیں تشدد کو پھیلانے کا حوصلہ دیا۔ عدالت نے مزید حکم دیا کہ پیمرا 2002 کے آرڈیننس کے تحت اس بات کو یقینی بنائے کہ جس براڈ کاسٹر کے پاس لائسنس ہے وہ پاکستان کی سلمیت، دفاع اور حاکمیت کا تحفظ یقینی بنائے گا۔ حکم میں کہا گیا کہ آرڈیننس کے سیکشن 20 کے مطابق الیکٹرانک میڈیا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ وہ تمام پروگرام اور اشتہارات میں تشدد، دہشت گردی، نسل پرستی، مذہبی یا نسلی تفریق، فرقہ پرستی، انتہا پسندی، عسکریت پسندی اور نفرت شامل نہیں ہوگی اور اگر کوئی چینل ان تمام شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو سیکشن 33 کے تحت اس پر پہلے جرم میں 1 کروڑ تک جرمانہ کیا جاسکتا ہے جبکہ چینلز کا لائسنس بھی معطل ہوسکتا ہے۔ فیصلے میں کہا گیا کہ ٹیلی وژن پر نشر ہونے والی سورش، اشتعال انگیزی یا بدسلوکی پر مشتمل بیانات نفرت اور تشدد کو پروان چڑھاتے ہیں۔ عدالت نے اس بات پر حیرانگی کا اظہار کیا گیا کہ تشدد میں اضافہ چینلز پر اشتعال انگیز مواد کے نشر ہونے سے ہوا، اپنے فیصلے میں عدالت نے کہا کہ آئین پاکستان میں آزادی اظہار رائے اور آزاد میڈیا کا حق ہے لیکن جرم کو بڑھاوا دینے یا لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوئی جگہ نہیں اور میڈیا تشدد، انتہا پسندی، عسکریت پسندی یا نفرت کو فروغ نہیں دے سکتا۔ فیصلے میں کہا گیا کہ ہر عالم، سیاست دان اور میڈیا اینکر سمیت ہر کوئی آئین کی پاسداری کا پابند ہے، ہر شہری آئین اور قانون پر عمل درآمد کرنے کا پابند ہے اور جو لوگ تشدد کرتے یا تشدد کو فروغ دیتے، املاک کو نقصان پہنچاتے، توہین آمیز زبان کا استعمال اور نفرت انگیز تقریریں کرتے ہیں وہ اسلامی احکامات کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ فیصلے میں اس بات کی نشاندہی بھی کی گئی کہ آئین کے آرٹیکل 2 کے مطابق 'اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہوگا'۔ عدالت عظمیٰ نے مزید حکم دیا گیا کہ وزارت اطلاعات اس فیصلے کی نقل تمام میڈیا چینلز، اخبارات اور جرائد کو بھی بھجوائے۔

(بشکریہ ڈان)

حکومت جو چاہے کرتی اسے شکست ہی ہونا تھی

اسلام آباد سوشلستان میں جو ہو رہا ہے اس پر کیا لکھیں اور کیا نہ لکھیں۔ ایک جانب فوج کے خلاف ہر قسم کے تبصرے اور تبصرے لکھے جا رہے ہیں جبکہ دوسری جانب پنجاب حکومت اور وفاقی حکومت کے درمیان جاری 'سرد جنگ' پر قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ اس ہفتے کے سوشلستان میں ہم اسی موضوع پر بات کریں گے۔ سوشل میڈیا پر جہاں رینجرز کے ایک جنرل کے لفافے بانٹنے کی ویڈیو شیئر کی جا رہی ہے وہیں اس پر سوال بھی اٹھائے جا رہے ہیں کہ کیا اب فوج کھل کر سامنے آچکی ہے؟ دوسری جانب فوج کے سربراہ کے اس بیان پر کہ 'ہم اپنے لوگوں کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے۔' سوشل میڈیا صارفین نے تصاویر کے ساتھ سوال کیا کہ 'کراچی میں قتل کیا جانے والا سرفراز یا اوکاڑہ کے کسان جرمن قومیت کے لوگ تھے؟' پھر مسلم لیگ ن اور وفاقی اور صوبائی حکومت کے درمیان جاری 'سرد جنگ' کے بارے میں سوالات کیے جا رہے ہیں جن میں ایک جانب پنجاب حکومت کے وزیر زعیم قادری کو خادم حسین رضوی سے مصافحہ کرتے اور ان کا منہ چومنے کی تصویر شیئر کی جا رہی تھی۔ ان کی پیر سیالوی کے ساتھ گفتگو کی ویڈیو منظرِ عام پر آئی ہے جس میں وہ پنجابی میں یہ کہہ رہے ہیں کہ 'شہباز شریف نے جو پیغام بھجوایا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے تو سب سے پہلے کہا تھا کہ جس نے غلطی کی ہے اسے نکال دیں۔ میں اب سرخرو ہوں۔' اس کے بعد پیر سیالوی مطالبہ کرتے ہیں کہ 'وزیر نہ صرف ٹی وی پر آ کر معافی مانگیں بلکہ دوبارہ مسلمان ہوں اور کلمہ پڑھیں۔' تیسرا محاذ مسلم لیگ ن کے سربراہ کے داماد کیپٹن صفدر نے کھولا ہوا ہے جن کے بیانات شیئر کیے جا رہے ہیں کہ 'یہ دھرنا نہیں تھا بلکہ عاشقان کی ایک محفل تھی' ایک اور جگہ انہوں نے کہا کہ 'دھرنا نہیں یہ ایک مشن کا آغاز ہے'۔ اس سارے معاملے پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رائے کتنی منقسم ہوگی۔ گُل بخاری نے کہا 'ایک بار پھر فوج نے فتح حاصل کر لی۔ آرڈر تھا دھرنا اٹھانے کا مگر وہ تو فوج کے اپنے لوگ تھے، تو حکومت اٹھا دی۔' عاصمہ جہانگیر نے دھرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے ٹویٹ کی کہ 'دھرنا انٹرپرائز بہت منافع بخش سیاسی کاروبار ہے۔ ملک کو یرغمال بنالیں، اپنی شرائط منوائیں اور پھر واپسی کا کرایہ اور کمر پر تھپکی وصول کریں۔ عسکری دھرنا اینڈ کمپنی۔ عاصمہ نے اس بات کی بھی تردید کی کہ اگر حکومت اس پر کوئی کارروائی کرتی یا پہلے کرتی اور لکھا کہ 'یہ بیانیہ کہ اگر حکومت پہلے کارروائی کرتی تو اس سب سے بچا جاسکتا تھا کھوکھلی ہے۔ حکومت جو چاہے کرتی اسے شکست ہی ہونا تھی۔ اور وہ خود ہی جمہوریت کی موت کے پروانے پر دستخط کرنے کو تیار ہوگئے جسے ہماری اپنی فوج نے تیار کیا تھا اور اس کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ سب دن کی روشنی کی طرح واضح ہے۔' عثمان احمد کا خیال تھا کہ 'اس صورتحال میں ہمارے اداروں نے ریاست کے کھلے اور اعلانیہ دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں اور یہ سب بہت ہی کمزوری کی حالت سے کیا ہے۔' اور مشرف زیدی نے لکھا 'ایک جدید اور کثیر الجہتی ریاست کا خواب ختم ہوا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح زندہ باد۔ ان کا خواب مر گیا۔ ان کا پاکستان ختم ہوا۔

(بی بی سی اردو)

اسلام آباد دھرنا: 'جس اہلکار کا جدھر منہ تھا وہ ادھر ہی بھاگ گیا'

اسلام آباد وزیر داخلہ احسن اقبال نے اسلام آباد میں دھرنے کے خاتمے کے لیے کی گئی پولیس کی کارروائی کی ناکامی کی وجوہات جاننے کے لیے ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی ہے۔ تاہم کارروائی میں موجود کئی اہلکاروں سے گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ فورسز میں رابطے کی کمی اس دھرنے کو کنٹرول کرنے میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ بن کر سامنے آئی ہے۔ بی بی سی کو ملنے والی تفصیلات کے مطابق ساڑھے آٹھ بجے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساڑھے پانچ ہزار اہلکاروں نے پیش قدمی شروع کی تو ان کے سامنے سپیشل برانچ کے اندازے کے مطابق سترہ سے اٹھارہ سو مظاہرین موجود تھے۔ اس آپریشن میں حصہ لینے والے ایک اعلیٰ پولیس افسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ ابتدا میں پولیس نے تیزی سے پیش رفت کی، آپریشن شروع ہونے کے ڈیڑھ گھنٹے کے دوران پولیس کا ایک جتھہ تحریک لبیک یا رسول اللہ کے سٹیج پر موجود رہنما خادم حسین رضوی سے محض پچاس فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ ان کا کہنا ہے 'ہم نے اس وقت مزید کمک کی لیے پیغام بھیجا لیکن بار بار کے اصرار کے باوجود ایسا نہیں ہوا'۔ پولیس افسر کے بقول بعض اوقات تو یہ پیغام دیا گیا کہ پولیس اہلکاروں کی اپنے اپنے سیکٹرز میں موجودگی اہم ہے اس لیے کمک نہیں بھیجی جا سکتی۔ ایک پولیس افسر کے مطابق رینجرز کے کسی اہلکار نے بھی عملی طور پر مظاہرین کے خلاف آپریشن میں حصہ نہیں لیا اور وہ ایک سائیڈ پر ہی کھڑے رہے۔ پولیس افسر کے مطابق مظاہرین کے خلاف کارروائی چھ اطراف سے کی گئی جن میں زیرو پوائنٹ، اسلام آباد کلب روڈ، فیض آباد بس سٹینڈ اور ائیر پورٹ سے اسلام آباد جانے والی سڑک شامل ہے۔ پولیس افسر کا کہنا تھا کہ کارروائی اتنی مؤثر تھی کہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہی پولیس نے فیض آباد پل کے بڑے حصے کو مظاہرین سے خالی کروالیا تھا اور اس دوران درجنوں مظاہرین کو گرفتار بھی کر لیا گیا۔ اس آپریشن میں حصہ لینے والے ایک اور پولیس افسر کے مطابق پولیس جب مظاہرین پر آنسو گیس کی شیلنگ کرتی تھی تو مظاہرین فوری طور پر اپنے خیموں کو آگ لگا دیتے تھے اور ان خیموں کے دھوئیں کی وجہ سے آنسو گیس کی شیلنگ کا اثر ختم ہو جاتا تھا۔ پولیس افسر کے مطابق شیلنگ کی وجہ سے جو مظاہرین مری روڈ راولپنڈی کی جانب بھاگے تھے ان کے بارے میں پنجاب پولیس کی طرف سے کوئی معلومات فراہم نہیں کی گئیں کہ آیا اُنھیں گرفتار کیا گیا یا نہیں۔ پولیس افسر کے مطابق کچھ دیر کے بعد اسلام آباد ہائی وے پر ڈھوک کالا خان سٹاپ سے فیض آباد اڈے کی طرف اوپر جانے والی سڑک سے اچانک سینکڑوں پولیس اہلکار فیض آباد پل کی طرف بھاگنا شروع ہو گئے اور ایک لمحے کے لیے تو ایسا لگا کہ جیسے یہ پولیس اہلکار خادم حسین رضوی اور دیگر قیادت کو گرفتار کرنے کے لیے آ رہے ہیں لیکن اگلے ہی لمحے نظر آ گیا کہ حالات نے پلٹا کھایا ہے اور اب دھرنے والے پولیس والوں کے پیچھے ہیں۔ پولیس افسر کے مطابق پولیس اہلکاروں کا پیچھا کرنے والے 'مظاہرین' اتنے تربیت یافتہ تھے کہ اُنھوں نے چند لمحوں میں ہی گیم بدل ڈالی اور کچھ دیر کے بعد مظاہرین کا دوبارہ فیض آباد پل پر قبضہ ہو گیا۔ پولیس افسر جو خود بھی مظاہرین کی طرف سے کیے جانے والے پتھراؤ سے زخمی ہوئے ہیں، کا کہنا تھا کہ مظاہرین کے پاس بھی آنسو گیس کی شیلنگ کرنے والی بندوقیں تھیں اور ان کے پاس آنسو گیس کے ایسے شیل تھے جس کا دھواں دونوں اطراف سے نکلتا تھا اور یہ آنسو گیس کے شیل سرکاری شیل سے زیادہ خطرناک تھے۔ ان مظاہرین کے پاس آنسو گیس سے بچنے کے لیے ماسک بھی موجود تھے۔ ان کے مطابق ہر سیکٹر کا انچارج اپنے زیر کمان قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کو واپس آنے کا حکم دے رہا تھا لیکن رینجرز سمیت دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکار فوری طور پر آپریشن والی جگہ پر جانے کو تیار نہیں تھے۔ اس دوران جس اہلکار کا جدھر منہ تھا وہ ادھر ہی بھاگ گیا۔ پولیس افسر نے دعویٰ کیا کہ لاؤڈ سپیکر سے جہاں کچھ دیر پہلے پولیس اہلکاروں سے شیلنگ نہ کرنے کی التجا کی جا رہی تھی وہیں سے اب مظاہرین کو پولیس والوں پر حملہ کرنے کے پیغامات جاری کیے جا رہے تھے۔ مظاہرین کے پولیس اہلکاروں پر حملوں اور پتھراؤ کی وجہ سے اسلام آباد پولیس کے 93 اہلکار زخمی ہوئے جبکہ راولپنڈی کی جانب مری روڈ پر پنجاب پولیس کے اہلکار موجود تھے لیکن ان میں سے صرف پانچ اہلکاروں کی اطلاع پولیس کنٹرول پر دی گئی تھی۔ مظاہرین کے خلاف آپریشن کے دوران تین سو کے قریب افراد کو گرفتار کیا گیا۔ حکمران جماعت پاکستان مسلم لیگ نواز کی قیادت بھی بظاہر اس آپریشن کی ناکامی پر وزیر داخلہ سے نالاں ہے اور ان سے اس بارے میں وضاحت بھی طلب کی گئی ہے۔ وزیر داخلہ دھرنا دینے والوں کے خلاف کارروائی سے پہلے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ آپریشن کے ذریعے فیض آباد کا علاقہ تین گھنٹوں میں خالی کروا لیا جائے گا لیکن حقائق بالکل اس کے برعکس نکلے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

'بیٹے کو لکڑیاں بیچ کر پڑھایا تھا کہ وہ بڑھاپے میں سہارا بنے گا'

پشاور 'وئی بابا، میرے بابا کا تو برا حال ہے۔ انھوں نے بیٹے کو لکڑیاں بیچ کر پڑھایا تھا کہ وہ بڑھاپے میں سہارا بنے گا اور اب جب بھائی کی تعلیم مکمل ہو گئی تھی ظالموں نے مار دیا'۔ یہ ہیں قاسم شاہ کی بہن کے الفاظ جو انھوں نے آج اپنے بھائی کی تدفین کے بعد کہے۔ قاسم شاہ محکمہ زراعت کے تربیتی مرکز میں ویٹرنری کا کورس کر رہے تھے اور پانچ دسمبر کو امتحانات مکمل ہونے کے بعد قاسم شاہ نے واپس اپنے گاؤں جانا تھا۔ قاسم شاہ کی بہن نے مقامی صحافیوں کو بتایا کہ ان کے والد تو اس آس پر جی رہے تھے کہ بیٹا اب تعلیم مکمل کر کے واپس اپنے گھر آئے گا۔ قاسم شاہ کی بہن نے ایک سوال پر آہ بھرتے ہوئے کہا 'وئی بابا پتہ نہیں اب میرے بابا کا کیا ہو گا'۔ خیبر پختونخوا کے دور افتادہ علاقے درازندہ کے سعد اللہ شاہ لکڑیاں بیچتے ہیں اور یہی لکڑیاں بیچ بیچ کر بیٹے کو پڑھایا تھا۔ درازندہ کا علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان سے ژوب جاتے وقت راستے میں آتا ہے یہ نیم قبائلی علاقہ ہے۔ قاسم شاہ کی بہن نے بتایا کہ ان کا اپنے بھائی کے ساتھ تعلق دوستوں کی طرح تھا وہ خود بی ایس سی کی طالبہ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ چھوٹا بھائی روزانہ ٹیلیفون کر کے بھائی سے باتیں کرتا تھا لیکن گذشتہ روز ٹیلیفون نہیں لگ رہا تھا تو وہ تھوڑے پریشان ہوئے لیکن رات دس بجے انھیں اطلاع ملی کہ ان کے بھائی اب نہیں رہے۔ قاسم شاہ کے دوست سعد اللہ پشاور سے درازندہ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ تین گھنٹے تک وہ کمرے کے اندر بند رہے بعد میں جب باہر آئے اور ہمارے ایک ساتھی سے رابطہ کیا تو انھوں نے بتایا کہ قاسم شاہ نہیں رہے۔ قاسم شاہ روزانہ صبح ایک ویٹرنری ڈاکٹر کے پاس پریکٹس کے لیے جاتے تھے اور وقوعہ کے روز بھی وہ صبح جا ہی رہے تھے کہ گیٹ پر حملہ آور پہنچ چکے تھے اور وہ اس واقعے میں سکیورٹی گارڈ کے ساتھ ہی ہلاک ہو گئے۔ پشاور میں گذشتہ روز محکمہ زراعت کے تربیتی مرکز میں شدت پسندوں کے حملے میں نو افراد ہلاک اور 35 زخمی ہو گئے تھے۔ قاسم شاہ کے والد عبد اللہ نے بتایا کہ 'سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ میں تو یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ بیٹے کی تعلیم اب مکمل ہو گئی ہے۔ اسی طرح اس واقعے میں ہلاک اور زخمی ہونے والے ہر طالبعلم اور ہر شخص کی اپنی ہی آپ بیتی ہے۔ محمد وسیم ہنگو کے قریبی علاقے کلایہ کے رہنے والے تھے آج ان کی تدفین بھی کر دی گئی ہے۔ چھ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

انسانی حقوق کی ملکہ اور قومی خجالت کے نشان

وجاہت مسعود

اللہ تعالی کے احسانات ان گنت ہیں۔ ایک کے بعد ایک دانشور تیرکمان اٹھائے حملہ آور ہوتا ہے۔ ہمارے برادر بزرگ مشرق بعید کی شبینہ رصد گاہوں کے احوال سے جوانوں کا لہو گرمایا کرتے تھے۔ایکا ایکی ایسی کایا کلپ ہوئی کہ ان کے قلم کی زد میں آیا کاغذ دل عشاق کی طرح سلگ اٹھتا ہے۔ 16 اگست 2014ء کو اسی روزنامہ جنگ میں 'مارچ کرنے والوں کا تعاقب' کے عنوان سے ایک کالم باندھا تھا۔ کیا جذبات میں نچڑتا ہوا لمحہ بہ لمحہ احوال قلم بند کیا تھا۔

11.53"۔ کیا معمر لیکن جوان حوصلوں والے عالم دین کے ساتھ سختی کی جائے گی۔ ناشتہ کرنے کی کوشش کی لیکن تین دن کے محصورین کا خیال کرتے ہوئے دل نہ مانا۔ 12:...15 ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ 12:...30 پی ٹی آئی کا مارچ کہاں رہ گیا ہے؟ مال پر سناٹا ہے۔ پی ٹی آئی کی ایک کارکن فون پر کہتی ہے کہ وہ ماڈل ٹاؤن کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ دل خوش ہو جاتا ہے۔ کیا عقل جذبات پر غالب آ گئی ہے؟ 12:...58 سکون کا سانس لیتا ہوں کیونکہ پی ٹی آئی کے کچھ موٹر سائیکل سوار دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ نے فتح کا نشان بنایا ہوا ہے۔ لگتا ہے کہ آزادی مارچ ان کے پیچھے امڈا چلا آ رہا ہے۔ اس دوران ڈاکٹر قادری میڈیا پر اپنے انقلاب مارچ کا اعلان کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ سفید بالوں والے مصطفیٰ کھر بھی صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ قادری صاحب غریب عوام کے لئے اپنا پروگرام پیش کر رہے ہیں۔ غیر ملکی میڈیا کے لئے اپنے موقف کو انگریزی میں بھی پیش کر رہے ہیں۔ وہ عوام کے حقوق اور غربت کے خاتمے کی بات کر رہے ہیں۔

''اور اب 29 نومبر 2017ء کو معاصر روزنامے میں لکھتے ہیں۔

''(علامہ خادم حسین رضوی) سے لاکھ اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اُن کی آواز کے موثر پن سے انکار ممکن نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ پورا کلامِ اقبال، اردو اور فارسی، انہوں نے حفظ کیا ہوا ہے۔ عربی پر بھی مکمل عبور ہے اور آواز میں چاشنی ہے۔ انہوں نے بریلوی مسلک کے تمام خطیبوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے حتیٰ کہ ڈاکٹر طاہر القادری پر ایسے تبصرے کسے ہیں کہ خیال اٹھتا ہے کہ اس سارے ہنگامے میں ڈاکٹر طاہر القادری کی سیاست ختم نہ ہو جائے۔'' منیر نیازی نے کہا تھا، 'تیز ہے دریائے دل اپنی روانی میں بہت''۔ پس ثابت ہوا کہ کلام اقبال میں دستگاہ پر سند درکار ہو تو برادر بزرگ سے رجوع کیا جائے۔ برادر بزرگ تو طبیعت کے لات منات ہیں۔ جدھر ڈھلک لئے، چھلک لئے۔ آئینے کو لپکا ہے پریشاں نظری کا۔ بحر سے خارج غزل کا لطف تو جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کی مجلس میں ہے۔ الیگزنڈر پوپ نے LocktheofRape میں ایک لائن لکھی تھی۔

بس کچھ اسی طور پرویز مشرف کے ہر لفظ سے قومی احترام کا ایک مورچہ منہدم ہو جاتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر فرمایا کہ 'جماعت الدعوۃ کے سربراہ حافظ محمد سعید مجھے بہت پسند ہیں کیونکہ انہوں نے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کی مزاحمت کی ہے... میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں فوجی کارروائیوں کا حامی رہا ہوں۔ حافظ سعید سے مل چکا ہوں... حافظ سعید بھی میرے دلدادہ ہیں'۔ استاد مومن یاد آ گئے، 'یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا، نکل آیا'۔ ملیحہ لودھی نے مشکل سے حافظ سعید کو فلاحی سرگرمیوں کی قبا پہنائی تھی۔ فلاحی سرگرمیاں غیر سیاسی ہوتی ہیں۔ فلاحی کارکن سرحدی تنازعات میں فریق نہیں ہوتے۔ حافظ سعید ابھی رہا ہوئے ہیں اور پرویز مشرف نے ان کا پیٹا کاٹ لیا۔ اگر ملک کا سابق صدر ریاست کے موقف پر دھول اڑائے گا تو دنیا بھر کے سفارت کار مل کر بھی ہمارا بھلا نہیں کر سکتے۔

ملیحہ لودھی نے مشکل سے حافظ سعید کو فلاحی سرگرمیوں کی قبا پہنائی تھی۔ فلاحی سرگرمیاں غیر سیاسی ہوتی ہیں۔ فلاحی کارکن سرحدی تنازعات میں فریق نہیں ہوتے۔ حافظ سعید ابھی رہا ہوئے ہیں اور پرویز مشرف نے ان کا پیٹا کاٹ لیا۔ اگر ملک کا سابق صدر ریاست کے موقف پر دھول اڑائے گا تو دنیا بھر کے سفارت کار مل کر بھی ہمارا بھلا نہیں کر سکتے۔

اگر کوئی نالہ پرویز مشرف سے بھی کھنچ نہ سکے تو اس میں عمران خان پھونک بھر دیتے ہیں۔ عمران خان کو ملال ہے کہ 126 دن کے دھرنے میں کسی چوہیا سے استعفیٰ نہ لے سکے۔ ادھر علامہ رضوی 20 دن کے دھرنے میں دھومیں مچا گئے۔ اور جو گالیاں شیخ رشید، طاہر القادری، عمران خان اور دیگر زعما کی نذر کیں، وہ لبھاو؟ میں شمار ہوئیں۔ علامہ خادم حسین کا مقام تو اب مہ و خورشید کے قریں ٹھہرا ہے۔ عمران خان کی مجال نہیں کہ خادم رضوی کو نظر بھر کے دیکھ سکیں۔ فرماتے ''فیض آباد میں استعمال ہونے والی زبان پر بات نہیں کرنا چاہتا''۔ البتہ علامہ خادم حسین کا تاو؟ عاصمہ جہانگیر پر نکالا ہے۔ فرماتے ہیں کہ 'ڈرون حملوں پر انسانی حقوق کی ملکہ خاموش رہتی ہے'۔ عمران خان کی جوالا مکھی جوانی اس ملک میں نہیں گزری۔ انہیں کیا معلوم کہ عاصمہ جہانگیر کون ہیں؟ عاصمہ جہانگیر 1952ء میں پیدا ہوئیں۔ اسی برس عمران خان پیدا ہوئے تھے۔ او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم۔ جون 1971ء میں عمران خان نے پہلا ٹیسٹ کھیلا۔ اسی برس اٹھارہ برس کی عاصمہ جہانگیر سپریم کورٹ جا پہنچی تھیں۔ 'عاصمہ جیلانی بنام وفاق پاکستان' کے فیصلے میں عدالت عظمیٰ نے یحییٰ خان کو غاصب قرار دیا تھا اور بھٹو حکومت کو مارشل لا اٹھانے کا حکم دیا تھا۔ عمران خان فرماتے ہیں 'میں کرکٹر تھا، کسی عوامی عہدے پر نہیں تھا'۔ عاصمہ جہانگیر بھی کبھی عوامی عہدے پر نہیں رہیں۔ ملک کے مفاد میں جدوجہد عہدے کی محتاج نہیں ہوتی۔ 1976ء میں عمران خان کے نامہ اعمال میں کل ملا کے بیس وکٹیں تھیں۔ آپ نے پندرہ ڈالر کے جھگڑے پر قومی کرکٹ ٹیم چھوڑ دی تھی۔ تب عاصمہ جہانگیر جمہوریت کے لئے سڑکوں پر تھیں۔ جب عمران خان کرکٹ اور دیگر غیر نصابی کمالات دکھا رہے تھے، عاصمہ جہانگیر جنرل ضیاالحق کے مسلط کردہ حدود آرڈیننس کی مزاحمت کر رہی تھی۔ بحالی جمہوریت کی تحریک میں نظر بند ہوئی تھی، نابینا لڑکی صفیہ بی بی کے لئے لڑ رہی تھی۔ عورتوں کی آدھی گواہی کے خلاف جلوس نکالتی تھی۔ بالغ عورت کے اپنی مرضی سے شادی کرنے کے حق کی لڑائی لڑتی تھی۔ عاصمہ جہانگیر سلامت مسیح سے بھٹہ مزدوروں تک، ہر کمزور کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ جنہوں نے آج دھرنا دیا ہے، ان کے بھائی بند 1996 میں عاصمہ جہانگیر کے گھر پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ان دنوں عمران خان اپنے اتالیق سے فلاحی سرگرمیوں کا سبق پڑھ رہے تھے۔ صحافت کا گنجفہ حقوق کی لڑائی اور فلسفہ خیرات میں فرق کیا بتاتا؟ عمران خان کی فلاحی سرگرمی کی ایک جھلک 1994 میں نظر آئی تھی جب عبدالستار ایدھی ملک چھوڑ کے لندن چلے گئے تھے اور بیان دیا تھا کہ مجھے عمران خان اور حمید گل کے دباؤ میں ملک چھوڑنا پڑا۔ عاصمہ اقتدار، استحصال اور عوام دشمنی سے پنجہ آزما رہی ہیں۔ عمران بنیاد پرستی اور قدامت پسندی کے عذر خواہ رہے ہیں۔ عمران خان کہتے ہیں کہ 'مغرب کے تمام لبرل لوگ ویتنام جنگ کے خلاف تھے'۔ عمران خان کے ہم سفروں نے تو 1992ء میں ویت نام دریافت کیا۔ ویت نام جبر کے خلاف مزاحمت کا استعارہ ہے۔ لبرل لوگ صرف ویت نام جنگ کی مخالفت نہیں کرتے، اپنے ملک میں آمریت کی بھی مزاحمت کرتے ہیں۔ آمرانہ ریفرنڈم میں مددگار نہیں بنتے۔ عاصمہ جہانگیر نے طالبان اور ریاست کے گٹھ جوڑ کی مخالفت کی تو سوات آپریشن میں بے گھر ہونے والوں کیلئے بھی آواز اٹھائی۔ اکیسویں آئینی ترمیم کی مخالفت کر کے دہشت گردوں کی حمایت کا الزام سہا۔ ابھی پچھلے برس ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں جا کے بھارتی فوج کی مذمت کی۔ کچھ بہادروں کا یہ عالم ہے کہ کرن تھاپر کے سامنے بیٹھ کر بھی دہشت گردوں کا نام نہیں لے سکتے۔ پاکستان کے لبرل لوگوں نے کسی کیخلاف بندوق نہیں اٹھائی البتہ ریاست سے مطالبہ کیا کہ غلیل کے مقابلے میں دلیل کی حفاظت کی جائے، درس گاہوں اور عبادت گاہوں پر حملہ آور بندوق برداروں کو روکا جائے۔ وائے کہ اس مطالبے پر لبرل لوگ خونی قرار پاتے ہیں۔ ادھر ٹویٹ اور نوٹیفیکشن کی مناسبت سے موقف بدلنے والے جمہوریت اور قومی مفاد پر اجارہ مانگتے ہیں

چپ ہو گئے ترے رونے والے
دنیا کا خیال آ گیا ہے

(بشکریہ جنگ)

ہم سب جنونی ہیں

بابر ستار

جس طریقے سے فیض آباد دھرنا ختم کیا گیا، سیاست دانوں اور فورسز کا جو کردار دیکھنے میں آیا اس سے یہ تاثر تقویت پاتا ہے کہ معتدل مزاج اور رواداری کا حامل پاکستان ہمیشہ کیلئے گم ہو چکا ہے۔ یہ تفہیم غصے کی بجائے اداسی اور شکست خوردگی کے احساس کو گہرا کرتی ہے۔ سیاست کو ایک گندہ کھیل کہا جاتا ہے۔ اس میں چالبازی، مکاری سے چلا گیا داؤ غالب رہتا ہے۔ لیکن جب آپ کی آنکھوں کے سامنے سیاسی میدان کا ہر کھلاڑی لمحاتی اشتعال کی رو میں بہہ نکلے، بلکہ اس انتہا پسندی کی لہر کو اپنے مفاد کی گنگا میں ڈھالنے کی کوشش کرے تو پھر آپ کو چاروانگ روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔

کسی اسکول کے بورڈنگ ہاؤس میں پروان چڑھتے ہوئے آپ انسانوں کی دو اقسام سے آشنا ہو جاتے ہیں: ایک وہ جو دھونس دھمکی سے دوسروں کو دباتے ہیں اور دوسرے وہ جو اس کی زد میں آتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان کوئی جگہ موجود نہیں ہوتی۔ اپنا بچاؤ کرنے کی فطرت آپ کو سکھاتی ہے کہ اگر آپ انہیں مار نہیں سکتے تو اُن کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اس وقت پاکستان بھی نوجوانوں کا ایک ہاسٹل بن چکا ہے جہاں انتہا پسندوں کا سکہ چلتا ہے۔ چونکہ سیاسی اشرافیہ کے لیڈران انتہا پسندی کے خلاف لڑنے کی صلاحیت یا حوصلہ نہیں رکھتے، اس لئے اُنھوں نے آگے بڑھ کر انتہا پسندوں کی سرپرستی کرنے اور انہیں خوش کرنے کی پالیسی اپنا لی ہے۔ اس روش کی تفہیم ہونے کے بعد فیض آباد دھرنا کوئی راز نہیں رہ جاتا۔

لاہور میں احمدیوں کے خلاف ہونے والے فسادات، جن کے نتیجے میں مارشل لا لگا، کے واقعات کا احاطہ کرتے ہوئے منیر رپورٹ نے 1954ء میں لکھا ''کسی کو بھی ان مطالبات کے مضمرات کا احساس نہیں تھا۔ اگر کسی کو احساس ہو بھی گیا تھا تو اُس نے عوامی مقبولیت اور سیاسی حمایت کھونے کے خوف سے عوام کے سامنے ان مضمرات کا اظہار کرنے سے گریز کیا۔'' اس رپورٹ کا اہم ترین پہلو علمائے اکرام سے کنگیئے انٹرویوز تھے جن میں اُن سے دریافت کیا گیا تھا کہ ایک مسلمان کی تعریف کیا ہے، اور کس طرح ایک غیر مسلم سے اُس کی تمیز کی جائے (اگر شہریوں کے حقوق کا تعین عقیدے کی بنیاد پر کرنا ہے تو پھر تمیز لازمی ہے)۔ ایک مسلمان کی متفق تعریف حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد رپورٹ نے اس الجھن کو بیان کیا ''علمائے اکرام کی کئی ایک تعریفوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کوئی دو رہنما اس بنیادی سوال پر اتفاق ظاہر نہیں کر پائے ہیں۔ اگر ہم خود کسی ایک تعریف کا فیصلہ کر لیتے ہیں جو کسی ایک عالم دین نے کی تھی تو پھر دیگر علما اس کی مخالفت کریں گے اور وہ ہمیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیں گے۔ گویا کسی ایک تعریف کو درست مانتے ہوئے ہم اُس کی تعریف کے مطابق مسلمان ہوں گے لیکن دوسرے ہمیں کافر قرار دیں گے۔''

خیر ہمیں منیر رپورٹ سے حاصل ہونے والی دانائی کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ جب ریاست نے عقیدے کی تعریف کرتے ہوئے انتہا پسندوں کو خوش کرنے اور عقیدے کی بنیاد پر شہریوں کے حقوق کا تعین کرنے کی روش اپنا لی تو پھر احرار کو خوش کرنے سے لے کر خادم رضوی کے دباؤ میں آنے میں کچھ دیر ہی باقی تھی۔ ہم نے اُنہیں عقیدے کی بنیاد پر شہریوں میں تمیز کرنے کی طاقت دیتے ہوئے امید کی کہ اب جذبات ٹھنڈے پڑ جائینگے۔ کیا اس سے بڑی نادانی کوئی ہو سکتی ہے؟ اب وہ اپنے ہاتھ میں طاقت لے کر فیصلہ کرینگے کہ مسلمانوں کی اکثریت میں سے اُنکے مطابق اچھا مسلمان کون ہے؟ فیض آباد دھرنے اور اس کے اختتام نے کچھ بنیادی سوالات اٹھا دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا پاکستان اپنے شہریوں کو عقیدے کی آزادی دیتا ہے؟ آزادی اور رواداری ناقابل تقسیم اقدار ہیں۔ آپ شہریوں کے کسی ایک گروہ کو آزادی دیتے ہوئے دوسرے کو اس سے محروم نہیں کر سکتے۔ ہمارے آئین کا آرٹیکل 20 ہر شہری کو قانون، اخلاقیات اور پبلک آرڈر کے اندر رہتے ہوئے ''اپنے عقیدے کے اظہار، اس پر عمل اور اس کی تبلیغ'' کا حق دیتا ہے۔ لیکن فیض آباد دھرنے نے یہ ثابت کیا کہ مسلم اکثریت بھی اپنے عقیدے کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ وہ بھی ایسے انتہا پسندوں کے رحم و کرم پر ہیں جن کی قیادت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو اپنی بات منوانے کیلئے نظام زندگی درہم برہم کر سکتا ہے۔ ہم نے کافی عرصہ پہلے پاکستان کی مذہبی اقلیتوں کو دوسرے درجے کے شہریوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ اب ہم اپنے آپ پر بل پڑے ہیں۔ آدم خوری کی فطرت یہی ہے۔ یہ پہلے ''دوسروں'' پر پنجہ آزمائی کرتی ہے۔ جب ''دوسروں'' کی تعداد کم ہو جائے تو پھر یہ ''دوسروں'' کی نئی قسم کی تخلیق کرتی ہے۔ چنانچہ پاکستان کی اکثریت (جو سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے) کو تیار رہنا چاہئے کہ کب اُنہیں کوئی خود ساختہ مولوی اور پیر دائرہ اسلام سے خارج کر سکتا ہے۔ اور یہ لوگ عقیدے کے نام پر نیم خواندہ افراد کو بپھرے ہوئے جتھوں میں تبدیل کرنے کے ہنر میں طاق ہو چکے ہیں۔

> سوال یہ کہ ریاست پاکستان کن عناصر پر مشتمل ہے؟ آئین کا آرٹیکل **90** کہتا ہے کہ وفاق کی ایگزیکٹو اتھارٹی وفاقی حکومت کے پاس ہے۔ آرٹیکل **243** کہتا ہے کہ مسلح افواج کا کنٹرول وفاقی حکومت کے پاس ہوگا۔

دوسرا سوال یہ کہ کیا ریاست اپنے سیاسی یا سکیورٹی ایجنڈے کیلئے اپنی عملداری کا مسلسل سودا کرتی رہے گی؟ کیا غیر ریاستی عناصر کو خوش کرنے کیلئے کئے گئے تمام تر تجربات نے ہمیں دن میں تارے نہیں دکھا دیئے؟ 2004ء میں شکئی امن معاہدے کے بعد افسران کا نیک محمد کو پھولوں کے ہاتھ پہنانا یاد ہوگا؟ انتہا پسندوں کے ساتھ کئے گئے اس امن معاہدے نے فاٹا کے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد سے ہمارے سکیورٹی ادارے فاٹا میں یکے بعد دیگرے مسلسل اپریشن کر رہے ہیں لیکن قبائلی علاقوں پر ابھی تک ہمارا کنٹرول بحال نہیں ہوا ہے۔ نظریاتی انتہا پسندوں کو اس امید پر خوش کرتے جانا کہ انہیں کنٹرول کر کے ایک تزویراتی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے گا ہماری سب سے بڑی حماقت ثابت ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان گروہوں کے رہنماؤں کو کنٹرول کیا جا سکتا ہو لیکن یہ بات پیروکاروں کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ چنانچہ جب نائن الیون کے بعد ریاست کو اپنی پالیسی تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہمارے نظریاتی ہتھیاروں نے ریاست کو اپنے نشانے پر رکھ لیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کس طرح فضل آنے سوات میں اپنے ریڈیو خطبات سے اپنے ''کیریئر'' کا آغاز کیا تھا؟ ہو سکتا ہے کہ کچھ دیر کے بعد جناب خادم رضوی نظروں سے اوجھل ہو جائیں لیکن اب یہ سلسلہ رکے گا نہیں۔ ان کی جگہ کوئی اور لے لے گا۔ پنجاب سے انتہا پسندی کا خاتمہ آسان نہیں ہوگا کیونکہ یہاں فاٹا کی طرح کے اپریشنز نہیں کئے جا سکتے۔

تیسرا سوال یہ کہ ریاست پاکستان کن عناصر پر مشتمل ہے؟ آئین کا آرٹیکل 90 کہتا ہے کہ وفاق کی ایگزیکٹو اتھارٹی وفاقی حکومت کے پاس ہے۔ آرٹیکل 243 کہتا ہے کہ مسلح افواج کا کنٹرول وفاقی حکومت کے پاس ہوگا۔ آرٹیکل 245 کہتا ہے کہ ''مسلح افواج وفاقی حکومت کی ہدایت پر سول انتظامیہ کی مدد کریں گی جب اُنہیں بلایا جائے گا۔'' کیا پولیس اور سول انتظامیہ ریاست کا حصہ نہیں ہیں؟ فیض آباد دھرنے کے خاتمے پر کس طرح خوشی کا اظہار کیا جا سکتا ہے جب اس نے ریاست کی پولیس اور سول انتظامیہ کے ذریعے نافذ کی جانے والی عملداری کو تباہ کر دیا؟ کیا فوج ریاست کا ایک الگ ستون ہے جو ایگزیکٹو کے تابع نہیں؟ جب ایک مشتعل ہجوم پولیس پر حملے اور فوج کی تعریف کرتا ہے تو کیا یہ پاکستان کیلئے کوئی اچھا شگون ہے؟ سول حکام کی حماقتوں کو ایک طرف رکھیں، کیا اسٹیبلشمنٹ کے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ جب پولیس پر حملے ہو رہے ہوں تو اُنہیں اپنا وزن پولیس کے پلڑے میں رکھنا چاہئے یا حملہ آوروں کے؟ فرض کریں یہ ناکام آپریشن رینجرز کر رہے ہوتے اور مشتعل مظاہرین رینجرز کو پکڑ لیتے اور اُنہیں اغوا کر کے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تو کیا پھر بھی طرفین کو امن سے، بات چیت کے ذریعے، معاملات طے کرنے کی اپیل کی جاتی؟ کیا پھر بھی حملہ آوروں کو کوئی پیسے اور اُن کی کمر پر تھپکی دے کر رخصت کرتا؟ قانونی اتھارٹی کی خلاف ورزی اور خلاف قانون جسمانی طاقت کی پشت پناہی قانون کی حکمرانی کے منافی ہیں۔ سوچ سمجھ رکھنے والے افسران کو پتہ ہونا چاہئے کہ اگر قانون کی حکمرانی کی بجائے صرف جسمانی طاقت ہی ریاست کے وجود کا باعث ہوتی تو ہم اب تک قبائلی زندگی اپنا چکے ہوتے۔ فسادات کرنے والوں کے ساتھ کئے گئے معاہدے پر ایک میجر جنرل اور وزیر داخلہ کے دستخط سول حکومت اور وردی پوشوں، دونوں کیلئے باعث عزت نہیں۔ ہم نے اچھے اور برے انتہا پسندوں کے درمیان تمیز کرتے ہوئے غیر ریاستی عناصر کو قومی سکیورٹی کیلئے استعمال کرنا چاہا اور اس کے تباہ کن نتائج برآمد ہوئے۔ اب ہم کچھ سیاسی اہداف کے حصول کیلئے وہی ناکام پالیسی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جس آگ کو ہوا دے رہے ہیں، یہ سب سے پہلے پی ایم ایل (ن) کو بھسم کرے گی، لیکن یہ یہاں رکے گی نہیں۔ یہ اپوزیشن پارٹیوں اور سکیورٹی اداروں سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ (بشکریہ جنگ)

لیبیا کا کریہہ چہرہ

فرحین شیخ

سی این این کی جاری کردہ چھ منٹ کی ویڈیو دیکھ کر آنکھیں نم ہوگئیں۔ آخر ایسا کیا تھا اس ویڈیو میں؟ بلکہ یہ سوال زیادہ بہتر ہے کہ ایسا کیا نہیں تھا اس ویڈیو میں جو خون کے آنسو رلا دے، پتھر دلوں کو بھی رسنے پر مجبور کردے، اور تہذیب یافتہ کہلائی جانے والی دنیا کے مقدس اصولوں کے سامنے بڑا سا سوالیہ نشان لگا دے۔

لٹے پٹے، مفلوک الحال کالی چمڑی والے انسان کی فروخت کے لیے لگایا ہوا بازار اس ویڈیو کا موضوع ہے۔ اپنے مالک کے انتظار میں کھڑے بے بس آدمی کے سیاہ چہرے پر چمکتی سفید آنکھوں میں صدیوں کی تھکن نمایاں ہے۔ بیچنے والا اس کی غلامانہ خصوصیات بیان کر رہا ہے اور خریدنے والے اپنی حیثیت کے مطابق دام لگا رہے ہیں۔ بال آخر آٹھ سو ڈالر میں سودا طے ہو ہی گیا۔ انسانیت کی نیلامی میں محض چند منٹ ہی لگے۔

البتہ ویڈیو میں یہ نہیں دکھایا گیا کہ نئے مالک نے اس کے گلے میں کس رنگ کا پٹا ڈالا یا ہاتھوں میں کتنی لمبی رسی ڈال کر اس کو کیسے کھینچتے ہوئے لے کر گیا۔ آیا اسے گھٹنوں کے بل چلا کر لے گیا یا پیروں پر کھڑا رہنے کی اجازت دی۔ ویڈیو یہیں ختم نہیں ہوئی۔ مزید دردناک مناظر بھی اس کا حصہ ہیں۔ ویڈیو میں مہاجرین کے حراستی مراکز بھی دکھائے گئے، جن میں ہر عمر کے مرد اور عورتیں قید ہیں، وہ روتے ہوئے اپنی اپنی داستانیں سنا رہے ہیں، دور جاہلیت کی یادیں تازہ کرتی داستانیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق لیبیا کے ان حراستی مراکز میں بیس ہزار افریقی قید ہیں۔ یہ سب یورپ جانے کی خواہش میں، اسمگلروں کے ہتھے چڑھ کر اپنی آزادی کھو چکے ہیں۔ اچھے مستقبل کی امید کے گناہ نے ان کا حال برباد کردیا۔ سی این این کے صحافیوں نے لیبیا میں نو ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جہاں غلاموں کی باقاعدہ فروخت کے لیے بازار لگایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ان کا خیال ہے کہ یہ تعداد نو سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے۔

لیبیا میں یورپ جانے کے خواہش مند، سب صحارا افریقا سے آئے ہوئے تارکین وطن کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اقوام متحدہ نے سات لاکھ تارکین وطن کی لیبیا میں موجودگی کے اعداد و شمار ظاہر کیے ہیں۔ ان میں زیادہ تر گھانا، نائیجیریا، کیمرون، زیمبیا، سینیگال، گیمبیا اور سوڈان کے باشندے ہیں، جن کے سپنوں کی منزل تھی یورپ۔ مگر تعبیر اسمگلروں کے ہاتھوں اغوا ہوکر غلامی کی زندگی قرار پائی۔

یہاں ہر ہفتے سیکڑوں غلام چار سو سے آٹھ سو ڈالر میں فروخت کیے جا رہے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ظلم کی جو داستانیں پوری دنیا میں سفر کر رہی ہیں، خود لیبیا کی انتظامیہ تک نہ پہنچ سکیں اور حکومتی ارکان خود کو ان تمام معاملات سے قطعاً نابلد اور لاعلم ظاہر کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کو غیر ملکی میڈیا اب چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ جناب! لیبیا کا شہر سبھا تو یورپ جانے والے خواہش مندوں کا داخلی راستہ ہے، جہاں سے وہ سمندر کے راستے یورپ میں داخلے کا جھانسا دے کر قیدی بنا لیے جاتے ہیں، بہت سے اسمگلروں کے ہاتھوں مار دیے جاتے ہیں، بہت سے افریقی صحرا کی جھلساتی گرمی میں پیاس کی شدت سے ہلاک ہوجاتے ہیں، جن کی بے گور و کفن لاشوں سے سبھا کا مردہ خانہ بھرا پڑا ہے۔ ان ناقابل شناخت لاشوں کے ورثاء اپنے عزیزوں پر بیت جانے والی قیامت سے یکسر لاعلم ان کے منتظر ہیں، اور جو بدنصیب بچ جاتے ہیں وہ حراستی مراکز میں قید کر کے غلاموں کے طور پر بیچے جا رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے دنیا نے ساری ترقی وقت کے ایسے پہیے پر بیٹھ کر کی ہے جو گھومتا گھومتا اپنے اسی نقطہ آغاز کی طرف لوٹ چکا ہے، جہاں انسان ہر قسم کے عقل و شعور سے عاری تھا۔ بے مہار ترقی اور جدید تعلیم کے یہ گھناؤنے ثمرات سمیٹنے کو تہذیب کا دامن تنگ پڑ چکا ہے۔ غلاموں کی شکل میں انسان کی فروخت جدید انسانی تاریخ کا وہ بدترین زلزلہ ہے جس نے ترقی یافتہ دنیا کو منہ کے بل گرا دیا ہے۔ لیبیا نے ارتقا کی کئی کروٹیں بدلی ہیں۔ یہاں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو یہ ہمیشہ سے ایک پراسرار ملک رہا ہے۔ ستر کی دہائی میں ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد بظاہر آسودہ دکھائی دینے والے لیبیائی باشندے اس وقت بھی کسی انجانے خوف کا شکار تھے۔ اسی خوف کے زیر اثر وہ معاشرے میں ہونے والی منفی تبدیلیوں کا بھی بانہیں کھول کر استقبال کرتے رہے۔ خود کو مذہبی شعائر کا پابند قرار دینے والے معمر قذافی کے دور میں پانچ وقت کی نماز، داڑھی اور حجاب کو جب ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا تو شہریوں نے کلین شیو ہوکر اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق لیبیا کے ان حراستی مراکز میں بیس ہزار افریقی قید ہیں۔ یہ سب یورپ جانے کی خواہش میں، اسمگلروں کے ہتھے چڑھ کر اپنی آزادی کھو چکے ہیں۔ اچھے مستقبل کی امید کے گناہ نے ان کا حال برباد کردیا۔ سی این این کے صحافیوں نے لیبیا میں نو ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جہاں غلاموں کی باقاعدہ فروخت کے لیے بازار لگایا جاتا ہے۔

مراکش سے نوکری کے لیے آنے والی عورتیں جب لیبیا میں طوائفوں کے روپ میں پھیلا دی گئیں تو بھی لیبیائی باشندے کچھ نہ بولے، انگریزی کی تمام درسی اور غیر درسی کتابوں کو سر بازار آگ لگا کر ان سے طلبا کی جان چھڑائی گئی تو بھی لیبیائی عوام نے مارے خوشی کے الفتح الفتح کے نعرے بلند کیے۔

قذافی کے بعد جب لیبیا نے بد سے بدترین کا سفر کیا تو بھی لیبیا کی سڑکوں پر وہی ہولناک سناٹا رہا اور عوام خود کو زندگی کے جھمیلوں میں گم کرتے رہے۔ لیکن لیبیا نے اس بار غلاموں کی منڈیاں سجا کر ارتقا کے سفر میں ایک اور نئی کروٹ نہیں لی بلکہ زقند ہی بھر لی ہے، جس کے خلاف دنیا بھر میں باشعور لوگ غلامی نامنظور کے بینر اٹھائے سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ سوئیڈن، فرانس اور برطانیہ میں احتجاج کیا جا رہا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ لیبیائی باشندے اسی خاموشی کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔

تیزی سے بدلتے وقت نے جو نیا سماج تشکیل دیا ہے اس میں انسانیت کا دم گھونٹنے کو ماضی کے سارے وحشی اور جابر کردار فقط نام کی تبدیلی کے ساتھ بڑی شان سے موجود ہیں۔ لیبیا میں غلاموں کی فروخت سے ایک بار پھر ثابت ہوگیا کہ انسان اشرف المخلوقات کے درجے سے کہیں نیچے گر چکا ہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے تشکیل کردہ ایک ٹیم نے لیبیا میں بنائے گئے ان حراستی مراکز کا دورہ کیا، ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایک دوسرے کے اوپر لدے دیکھ کر ان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

یہاں غلاموں کو بے لباس کر کے لٹکانا اور ان کے ساتھ جنسی زیادتی اور تشدد عام بات ہے۔ لیکن اس قبیح فعل میں صرف لیبیا کو ذمے دار قرار دینا کافی نہیں بلکہ اس کا ذمے دار پورا یورپ ہے جو تارکین وطن کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں۔

یورپی یونین نے ہزاروں یورو نائیجیرین پولیس کو دیے تاکہ وہ لیبیا کے راستے یورپ میں داخل ہونے والے مہاجرین کا راستہ روک سکے۔ اسی طرح اٹلی کی حکومت نے لیبیا کے کوسٹل گارڈز کو کئی ملین یورو سے نوازا تاکہ وہ مہاجرین کو یورپ میں داخل ہونے سے روکنے کے آپریشن کو مزید تیز کردیں۔

یورپ کی ایما پر ان مہاجرین کے خلاف کارروائی کی گئی اور ان کو پکڑ پکڑ کر بند کردیا گیا۔ اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم کے واقعات لہو رو رہے ہیں۔ یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ جدید دور میں پرانی غلامی یورپ کی بند سرحدوں پر زندہ کی جا رہی ہے۔ سرحدوں پر لگی باڑیں انسانیت کو لہولہان کر رہی ہیں، ملکوں کو تقسیم کرتی ہوئی دیواروں کے پیچھے اخلاقی قدریں دفن ہو رہی ہیں۔ لیبیا اور یورپ کے حکمرانوں کو جھنجھوڑنا اس وقت اہم ترین ہے۔ دنیا بھر کے انسان دوستوں کو آگے آکر مطالبہ کرنا ہوگا کہ فی الفور تمام حراستی مراکز کو بند کر کے قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ یہاں اب تک ہونے والی تمام بدسلوکیوں اور غلام بنا کر فروخت کیے جانے کے واقعات کی آزادانہ اور شفاف تحقیقات کروائی جائیں، اور مجرموں کو صرف چند لوگوں کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا مجرم قرار دے کر عبرت کا نشان بنایا جائے۔

مہاجرین کے حوالے سے یورپ کی تمام پالیسیوں کو ازسرنو مرتب کیا جائے۔ یورپی ممالک اپنے گرد جو فصیل قائم کر رہے ہیں اس کو توڑ کر انسانوں کی نقل و حمل کو آسان ترین بنایا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر ان پالیسیوں کے مزید دردناک نتائج بھگتنے کے لیے سب اپنی اپنی باری کا انتظار کریں۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

ہٹوں پر بکنے والا پتر

جاوید چودھری

ہم اسرار احمد تنولی سے شروع کرتے ہیں' یہ اسلام آباد پولیس میں کانسٹیبل ہیں' ایم فل کے طالب علم ہیں' مانسہرہ سے تعلق رکھتے ہیں' فروری میں ان کی شادی طے ہے' یہ 25 نومبر 2017ء کو فیض آباد کی ڈیوٹی پر تھے' دھرنا زوروں پر تھا' اسرار احمد تنولی اسٹیٹ کی رٹ اسٹیبلش کرنے کے لیے آگے بڑھے' یہ مظاہرین کے نرغے میں آئے' یہ نہتے تھے۔ مظاہرین نے انھیں ڈنڈوں اور ٹھڈوں سے مارنا شروع کر دیا' یہ شدید زخمی ہو گئے' اسٹیج سے اعلان ہوا ''کافر پولیس والے کی آنکھیں نکال دو'' بپھرے ہوئے ہجوم نے غلیل کے ساتھ ان کے چہرے پر پتھر مارنا شروع کر دیے' ایک پتھر ان کی دائیں آنکھ میں لگا' آنکھ شدید زخمی ہو گئی' یہ تڑپ تڑپ کر بے ہوش ہو گئے' پولیس اہلکاروں نے بڑی مشکل سے ان کی جان بچائی' اسپتال پہنچایا گیا' ڈاکٹروں نے دائیں آنکھ مکمل ضایع ہونے کی تصدیق کر دی' یہ اس وقت پولیس لین میں زخمی پڑے ہیں اور یہ اپنے ساتھیوں سے ریاست کے معانی پوچھ رہے ہیں۔

کانسٹیبل سکندر علی دوسری مثال ہیں، یہ بھی 25 نومبر کی صبح ریاست کی رٹ اسٹیبلش کرنے فیض آباد گئے تھے' یہ پچاس ساٹھ مظاہرین کے نرغے میں آئے' مظاہرین ان پر ڈنڈے برسانے لگے' اسٹیج سے اعلان ہوا' یہ یزیدی ہیں' یہ کافر فورس کے اہلکار ہیں' مظاہرین سکندر علی کو گھسیٹتے ہوئے اسٹیج تک لے گئے' اسٹیج سے اعلان ہوا مارو' کافروں کو مارو' یہ اعلان حکم تھا' مظاہرین سکندر پر پل پڑے' سکندر علی کو ڈنڈوں اور آہنی راڈوں سے مارا گیا' سر پر چوٹیں آئیں' خون بہنا شروع ہوا۔

یہ گہری بے ہوشی میں چلے گئے' مظاہرین میں سے کسی نے اعلان کیا ''یہ مر گیا ہے' اسے اب چھوڑ دو'' مظاہرین نے سکندر علی کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا' اللہ تعالیٰ کو سکندر کی زندگی عزیز تھی چنانچہ یہ بچ گئے' یہ اس وقت آئی سی یو میں ہیں' سر میں 35 ٹانکے لگے ہیں' یہ چند لمحوں کے لیے ہوش میں آتے ہیں' سسکی لیتے ہیں اور دوبارہ بے ہوش ہو جاتے ہیں' یہ پورے خاندان کے واحد کفیل ہیں' والدین انتقال کر چکے ہیں' سکندر علی کے جسم کا کوئی ایسا حصہ نہیں جس پر ریاست کی رٹ کے نشان موجود نہ ہوں' کانسٹیبل عابد علی تیسری مثال ہیں۔

یہ کاؤنٹر ٹیررازم فورس کے جوان ہیں' یہ ٹریننگ مکمل کر کے تازہ تازہ فورس میں شامل ہوئے' یہ 25 نومبر کو پولیس کے ہراول دستے میں شامل تھے' ہجوم نے میٹرو اسٹیشن' بس اڈے اور سیف سٹی کے کیمروں پر حملے شروع کیے' عابد علی ریاست کا یہ نقصان برداشت نہ کر سکے' یہ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے ہجوم کے راستے میں کھڑے ہو گئے' ہجوم نے انھیں گھیر لیا' یہ ریاست کی رٹ بچاتے رہے اور ہجوم ان کی ٹانگوں پر ڈنڈے برساتا رہا' ہجوم نے انھیں بھی ادھ موا کر کے چھوڑ دیا۔

عابد علی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو چکے ہیں' یہ بھی اس وقت پولیس لین میں اس ریاست کا انتظار کر رہے ہیں جس کی حرمت پر انھوں نے اپنی دونوں ٹانگیں قربان کر دیں اور انسپکٹر عبدالجبار چوتھی مثال ہیں' یہ 37 برس قبل پولیس سروس میں کانسٹیبل بھرتی ہوئے' آہستہ آہستہ انسپکٹر کے رینک تک پہنچے' یہ اس وقت تھانہ کھنہ میں ایڈیشنل ایس ایچ او ہیں' نارووال سے تعلق رکھتے ہیں۔ چار بچوں کے والد ہیں' خاندان کے واحد کفیل ہیں' یہ بھی 25 نومبر کو ہجوم کے قابو آ گئے' ہجوم انھیں گھسیٹ کر اسٹیج تک لے گیا' اسٹیج سے اعلان ہوا' یہ کافر ہے' یہ یزیدی فوج کا سپاہی ہے' یہ بھی بچ کر نہ جائے' ہجوم نے عبدالجبار پر کیلوں والے ڈنڈوں اور راڈز سے حملہ کر دیا' یہ نیم مردہ حالت میں اسپتال پہنچائے گئے' یہ بھی اس وقت اسپتال کے انتہائی نگہداشت وارڈ میں داخل ہیں' ان کے جبڑے اور سر کا اوپر والا حصہ ٹوٹ چکا ہے' چھاتی اور آنکھ پر کاری زخم ہیں' یہ بھی آئی سی یو میں لیٹ کر ریاست کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ صرف چار مثالیں ہیں' ایسی 180 مثالیں موجود ہیں' 25 نومبر کو ریاست کی رٹ پر پولیس کے 147 اور ایف سی کے 73 اہلکاروں نے زخم کھائے' تشدد کا نشانہ بننے والے پولیس اہلکاروں میں 100 کانسٹیبل اور 47 افسر شامل ہیں جب کہ پنجاب کے 3 اہلکار بھی لبیک یا رسول اللہ کے کارکنوں کا نشانہ بنے' آپ پی آئی ایم ایس' پولی کلینک اور پولیس لین جا کر دیکھیں آپ سے ریاست کے ان سپاہیوں کی حالت نہیں دیکھی جائے گی' یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو آج بھی ریاست کو ریاست سمجھتے ہیں' جو اس کی رٹ کو سلامت دیکھنا چاہتے ہیں اور جو حکومت اور عدالت کے حکم کو آخری حکم سمجھ کر اس پر عملدرآمد کراتے ہیں۔ یہ لوگ اصل ریاست ہیں لیکن ریاست نے 25 نومبر 2017ء کو ان کے ساتھ کیا کیا؟ اسلام آباد ہائی کورٹ نے حکم دیا' حکومت نے حکم پر عملدرآمد کا آرڈر کیا' پولیس کے پانچ ہزار پانچ سو 8 اہلکار فیض آباد پہنچے' مظاہرین کا گھیراؤ کیا اور آپریشن شروع کر دیا' یہ لوگ اسٹیج تک پہنچ گئے' دھرنے والے فرار ہونے لگے' دھرنے کے قائدین نے صلح صفائی کی کوشش شروع کر دی۔

یہ پولیس سے محفوظ راستہ مانگنے لگے اور پھر اچانک بازی پلٹ گئی' انھیں سینئرز کا حکم آیا آپ پیچھے ہٹ جائیں' یہ کنفیوز ہو گئے' اس دوران ہزار نئے مظاہرین کا ریلا آیا' مظاہرین کے نئے ریلے کے پاس ڈنڈے بھی تھے' راڈز بھی اور آنسو گیس کے شیل بھی' یہ نیا ریلا پولیس پر پل پڑا اور اڑھائی سو پولیس اہلکاروں کو روند کر رکھ دیا۔

یہ پولیس اہلکار آج تک پریشان ہیں' یہ آج تک ریاست سے اپنا جرم' اپنا گناہ پوچھ رہے ہیں' یہ اپنے سینئرز سے پوچھ رہے ہیں کیا ہم ریاست کا حصہ نہیں تھے؟ کیا ہم ریاست کا حصہ نہیں ہیں؟ اگر ہم ہیں تو پھر ریاست نے ہمیں اون کیوں نہیں کیا؟ یہ ہمارے پیچھے کیوں نہیں کھڑی ہوئی؟ کانسٹیبل عابد علی اپنے ملنے والے ہر شخص سے صرف ایک گلہ کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے مجھے اپنی دونوں ٹانگیں ٹوٹنے کا اتنا دکھ نہیں ہوا جتنا دکھ مجھے یہ جان کر ہوا کہ ہماری ریاست نے ان لوگوں کو تھانوں سے نکال کر' ان کو پیسے دے کر گھر واپس بھجوایا جنھوں نے میری ٹانگیں توڑی تھیں' یہ تمام پولیس اہلکار مسلمان بھی ہیں' یہ صوم وصلوٰۃ کے پابند بھی ہیں' یہ ختم نبوت پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور یہ پاکستان کی حرمت پر کٹ مرنا اپنے لیے اعزاز بھی سمجھتے ہیں۔ یہ حکومت اور عدلیہ دونوں کے احکامات پر من وعن عمل بھی کرتے ہیں لیکن ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا' ہم نے انھیں 25 نومبر کو ان لوگوں کے حوالے کر دیا جو عدالت کو مانتے ہیں' حکومت کو اور نہ ہی ریاست کو' جو آئے' 21 دن تک عوام کے راستے روکے' میٹرو اسٹیشن تباہ کیا' گاڑیوں کو آگ لگائی' لوگوں کی دکانیں اور پلازے جلائے اور ڈی جی رینجرز کے ہاتھ سے لفافے لے کر واپس چلے گئے جب کہ ریاست کی حرمت اور رٹ کے لیے مرنے والے اسپتالوں اور پولیس لین میں پڑے رہ گئے' کیوں؟۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کیا عابد علی' عبدالجبار' سکندر علی اور اسرار احمد تنولی کسی کے بیٹے نہیں ہیں' کیا یہ اس ریاست کے ملازم نہیں ہیں' کیا یہ 25 نومبر کو ریاست کے حکم پر ریاست کی رٹ اسٹیبلش کرنے کے لیے فیض آباد نہیں گئے تھے' کیا مولانا خادم حسین رضوی اور پیر افضل قادری کے ساتھ ان کی کوئی ذاتی لڑائی تھی اور کیا ختم نبوت کی شق کے ساتھ انھوں نے چھیڑ چھاڑ کی تھی؟ آخر ان کا جرم کیا تھا؟ آپ دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجیے یہ لوگ اگر 25 نومبر کو بغاوت کر دیتے۔ یہ ہائی کورٹ' حکومت اور سینئرز کے احکامات ماننے سے انکار کر دیتے اور یہ ریاست کی رٹ منوانے سے تائب ہو جاتے تو کیا ہوتا؟ کیا یہ دھرنے والوں کے ہیرو نہ بن جاتے' کیا دھرنے والے انھیں پھولوں میں نہ تول دیتے' کیا یہ بھاری تحائف وصول نہ کرتے اور کیا ان کے اعضاء بھی سلامت نہ رہتے؟ مجھے یقین ہے یہ اگر ریاست سے بغاوت کر دیتے تو دھرنے والے ریاست کے ساتھ معاہدے میں ان کی بحالی کی شق بھی شامل کرا لیتے اور یوں یہ دنیا اور آخرت دونوں میں سرفراز ہو جاتے لیکن یہ لوگ مشکل اس کی گھڑی میں ریاست کے ساتھ کھڑے رہے۔ یہ یزیدی اور کافر کہلا کر بھی' یہ ڈنڈے اور راڈز کھا کر بھی' یہ زخمی ہو کر بھی میدان میں ڈٹے رہے' یہ ریاست کی سائیڈ پر موجود رہے لیکن ریاست نے آخر میں کیا کیا؟ ریاست نے انھیں ''اون'' تک کرنے سے انکار کر دیا' وزیراعظم ہوں' وزیر داخلہ ہوں یا پھر چیف جسٹس آف پاکستان ہوں کسی کو ان کی عیادت تک کی توفیق نہیں ہوئی' ریاست نے الٹا ان کا میڈیکل الاؤنس' ٹی اے ڈی اے اور تنخواہیں تک روک لیں' آپ ریاست کا المیہ ملاحظہ کیجیے' ریاست صرف سرحدوں کے محافظوں کو ریاست سمجھتی ہے' ہم صرف ان کو غازی اور شہید سمجھتے ہیں' وہ بے شک قوم کے محسن ہیں' وہ بے شک شہید اور غازی ہیں لیکن کیا پولیس کے اہلکار قوم کے بیٹے نہیں ہیں۔

کیا یہ ریاست کا حصہ نہیں ہیں' کیا یہ وطن کا فخر نہیں ہیں اور کیا ان کے آنسو' آنسو اور ان کا لہو لہو نہیں ہے' یہ پوچھتے ہیں یہ غازی اور یہ شہید کیوں نہیں ہیں' قوم ان کو سلام پیش کیوں نہیں کرتی' ریاست ان کے جنازوں میں شریک کیوں نہیں ہوتی اور حکومت ان کی خدمت' ان کی قربانیوں پر انھیں سیلوٹ کیوں نہیں کرتی۔

یہ پوچھتے ہیں کیا ریاست نے غازیوں اور شہیدوں کو بھی تقسیم کر دیا ہے' کیا ریاست نے اپنے بیٹوں کے لیے بھی تیرے اور میرے کی کیٹیگری بنا دی ہے اور کیا یہ لوگ ماؤں کے وہ پتر ہیں جو ہٹوں پر دستیاب ہیں' آپ جب چاہیں اور جتنے چاہیں خرید لیں اور آپ جب چاہیں ان کے سروں کا سودا کر لیں' آپ ان کے قاتلوں کے ساتھ معاہدہ کر لیں' یہ بس اتنا پوچھتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

صحافیوں کی گرفتاری کے خلاف مظاہرہ

پشاور پاکستان کے صوبے خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور میں تمام صحافتی تنظیموں نے قبائلی علاقے خیبر ایجنسی سے تعلق رکھنے والے صحافیوں کو سکیورٹی فورسز کی طرف سے گرفتار کیے جانے اور دوران حراست انھیں وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنانے کے واقعے کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے کا انعقاد کیا۔ پشاور پریس کلب کے سامنے منعقدہ اس مظاہرے میں پشاور کی تمام صحافتی تنظیموں خیبر یونین آف جرنلسٹس، پشاور پریس کلب اور فاٹا کے صحافیوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ مظاہرین نے منہ پر پٹیاں باندھ کر اس احتجاج میں حصہ لیا۔ مظاہرین نے اس موقع پر پلے کارڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے جس پر لنڈی کوتل کے صحافی خلیل جبران آفریدی اور لنڈی کوتل پریس کلب کے آفس بوائے حسن علی کی فوری رہائی کے مطالبات درج تھے۔ مظاہرین نے اس موقعے پر حکومت کے خلاف شدید نعرے بھی لگائے اور مطالبہ کیا کہ صحافیوں کی گرفتاری کی نہ صرف اعلیٰ سطح پر تحقیقات کی جائے بلکہ تشدد میں ملوث اہلکاروں کے خلاف سخت قانونی کاروائی کی جائے۔ یاد رہے کہ خیبر ایجنسی کے علاقے لنڈی کوتل تحصیل میں خیبر رائفلز کی طرف سے خیبر ٹو کراچی نامی ایک کار ریلی کا انعقاد کیا گیا تھا جس کی کوریج کے لیے مقامی صحافیوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس ریلی کی کوریج کے لیے جانے والے پانچ صحافیوں کی گاڑی میں نصب شدہ بم پایا گیا جسے بعد میں ناکارہ بنا دیا گیا تھا۔ تاہم سکیورٹی فورسز نے بعد میں تمام پانچ صحافیوں اور لنڈی کوتل پریس کے آفس بوائے حسن علی کو تفتیش کے لیے گرفتار کر لیا تھا۔ مقامی صحافیوں کے مطابق چار صحافیوں کو کئی گھنٹوں کی تفتیش کے بعد رہا کر دیا گیا تاہم گاڑی کے مالک اور مقامی ٹی وی چینل سے وابستہ صحافی خلیل جبران اور پریس کلب کے آفس بوائے بدستور سکیورٹی فورسز کے تحویل میں ہیں۔ مظاہرے میں شریک انگریزی اخبار سے وابستہ خیبر ایجنسی کے ایک سنئیر صحافی ابراہیم شنواری نے کہا کہ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ابھی تک مقتدر حکومتی اداروں کی طرف سے ان کو صحافیوں کی گرفتاری کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جن حکومتی اداروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ صحافیوں کو تحفظ فراہم کریں وہی ادارے اخبار نویسوں کے خلاف تشدد میں ملوث ہیں۔ ان کے مطابق گرفتار اور رہا ہونے والے صحافیوں کو بدترین اور وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے کہا کہ وہ خود رہا ہونے والے ایک صحافی ساجد میاں سے مل کر آئے ہیں جن پر اتنا تشدد کیا گیا کہ انھیں ہسپتال میں داخل کرنا پڑا ہے۔ ابراہیم شنواری کے مطابق رہا ہونے والے صحافیوں کو سکیورٹی فورسز کی طرف سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی فہرست پر کچھ اور صحافی بھی ہیں جنھیں وقت آنے پر سبق سکھایا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ اس واقعے کے بعد خیبر ایجنسی کے تمام صحافیوں میں انتہائی تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے اور انھیں پہلے بھی آزادانہ طور پر کام کرنے کی اجازت نہیں تھی اور حالیہ واقعے کے بعد تو لگ رہا ہے کہ صحافیوں کا گھر سے نکلنا بھی محال ہو جائے گا۔ اس واقعے کے بعد رہا ہونے والے خیبر ایجنسی کے نوجوان صحافی مہراب شاہ آفریدی نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ دوران حراست انھیں سکیورٹی اداروں کی طرف سے کئی گھنٹوں تک ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا۔ انھوں نے کہا کہ تمام صحافیوں کے آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ان سے کئی گھنٹوں تک پوچھ گچھ کی گئی اور یہاں تک کہ انھیں پیشاب کرنے اور نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ادھر ملک کی تمام صحافتی تنظیموں نے قبائلی صحافیوں کو حراست میں لینے اور انھیں تشدد کا نشانہ بنانے کی واقعے کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ پاکستان میں صحافیوں کی حقوق کیلیے سرگرم تنظیم فریڈم نیٹ ورک نے گرفتار صحافی خلیل جبران اور آفس بوائے پر تشدد کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے اور اس واقعے کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔

(بشکریہ بی بی اردو)

ہزارہ ریسٹورنٹ کا آغاز کسی کی سوچ کی پروا کیے بغیر کیا

کوئٹہ ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھنے والی نائلہ ہزارہ گذشتہ پانچ سال سے مری آباد کی سبزی مارکیٹ میں سبزی فروخت کر رہی ہیں تاکہ ان کا اور ان کے گھر والوں کا گزر بسر ہو سکے۔ وہ عمر کے جس حصے میں ہیں وہ آرام کا متقاضی ہے مگر گھر میں آرام کی بجائے صبح سے شام تک وہ اس مارکیٹ میں ہوتی ہیں۔ ان کا شوہر جو کہ خاندان کے واحد کفیل تھے ٹارگٹ کلنگ کے ایک واقعے میں ہلاک کر دیے گئے۔ انھوں نے بتایا 'میرے شوہر ان چھ سات لوگوں میں شامل تھے جو کہ سبزی خریدنے کے لیے ہزار گنجی گئے تھے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ایک حملے میں مارا گیا۔' انھوں نے مزید بتایا 'بچوں کے خرچے ہیں۔ ان کی سکول کی فیس ہے اور دیگر اخراجات ہیں جس کی وجہ سے میں یہاں کام کر رہی ہوں۔' سابق صدر جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے دور میں بلوچستان میں حالات کی خرابی کے بعد ہزارہ قبیلے کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنی۔ اس ٹارگٹ کلنگ کے نتیجے میں بہت سارے خاندان اپنے کمانے والوں سے محروم ہو گئے۔ ٹارگٹ کلنگ سے متاثرہ خاندانوں میں سے بعض کی خواتین ہزارہ ٹاؤن میں قائم کیے جانے والے ایک ہوٹل میں بھی کام کر رہی ہیں۔ چند ہفتے قبل قائم کیے جانے والے اس ہوٹل کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس کی مالکن سے لے کر تمام عملہ خواتین پر مشتمل ہے۔ ہوٹلنگ کے شعبے میں بلوچستان میں خواتین کی جانب سے یہ اپنی نوعیت کا پہلا قدم ہے۔

ہوٹل کی مالکن حمیدہ علی ہزارہ کہتی ہیں کہ ہوٹل کے قیام کا مقصد خواتین کو معاشی طور پر مستحکم کرنا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ خواتین کو اقتصادی طور پر مضبوط کرنے کے لیے انھوں نے یہ قدم اٹھایا۔ انھوں نے بتایا کہ اگر کام کرنے والی خواتین کی شرح بڑھ جائے تو وہ معاشرے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ 'اسی سوچ کو مد نظر رکھ کر میں نے ہزارہ ریسٹورنٹ کی بنیاد رکھی۔ میں نے کسی کی پروا کیے بغیر، کسی کی سوچ کی پروا کیے بغیر یہ کام کیا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس میں مجھے کامیابی ملی۔' اس ریسٹورنٹ میں کام کرنے والی ایک خاتون معصومہ کا کہنا ہے کہ انھوں نے اس ریسٹورنٹ میں آنے والے لوگوں سے حوصلہ شکنی کی کوئی بات نہیں سنی۔ 'جتنے بھی لوگ آئے انھوں نے مجھے عزت دی اور اس بات کو سراہا اور شاباشی دی کہ ایک لڑکی ہو کر میں یہاں کام کر رہی ہوں۔' ہزارہ ریسٹورنٹ کے قریب ہی واقع ایک بینک کے دورے پر آنے والے ایک بینکر پرویز احمد نے بتایا کہ وہ اس ریسٹورنٹ کے بارے میں بہت باتیں سن کر کھانا کھانے آئے۔ ریسٹورنٹ بہت اچھا ہے۔ کھانا بھی اچھا ہے اور نرخ بھی مناسب ہیں۔' ہزارہ قبیلے کی خواتین میں اس نوعیت کے کاروبار میں حصہ لینے کے بڑھتے ہوئے رجحان کی بعض وجوہات کے بارے میں ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی (ایچ ڈی پی) کے صدر عبدالخالق ہزارہ کا کہنا ہے کہ بنیادی طور پر ہزارہ قوم ایک تعلیم یافتہ قوم ہے۔ 'ہزارہ قبیلے کے لوگ لبرل اور بہت جمہوریت پسند بھی ہیں۔ وہ خصوصی طور پر جنسی مساوات پر یقین رکھتے ہیں اور ہم اس کو فروغ بھی دے رہے ہیں۔' ایچ ڈی پی کے سربراہ نے بتایا کہ ہزارہ برادری کی آدھی آبادی خواتین پر مشتمل ہے۔ 'آپ نے دیکھا کہ ہماری خواتین میڈلز جیت کر آرہی ہیں۔ وہ کھیلوں میں بلوچستان اور ملک کی نمائندگی کر رہی ہیں۔' انھوں نے کہا کہ جب چھٹی ہوتی ہے تو علمدار روڈ میں بچوں سے زیادہ بچیاں سڑکوں پر نظر آتی ہیں اور وہ اچھے نمبر بھی لے رہی ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

وفاق اور صوبائی حکومت لاپتہ افراد کی معلومات فراہم کرنے میں ناکام

اسلام آباد وفاق اور خیبر پختونخوا کی حکومت کے اعلیٰ حکام سپریم کورٹ کی واضح ہدایات کے باوجود لاپتہ افراد کی معلومات کے بغیر ہی خالی ہاتھ عدالت میں پیش ہوگئے۔ خیال رہے کہ 26 اکتوبر کو جسٹس اعجاز افضل خان کی صدارت میں عدالت عظمیٰ کے دو رکنی بینچ نے دونوں حکومتوں کو لاپتہ افراد کے بارے میں، ان پر لگنے والے الزامات، قانونی طور پر مقدمہ چلایا گیا یا نہیں اور ان کے قید کیے جانے کی مدت کی معلومات فراہم کرنے کے احکامات جاری کیے تھے۔ عدالت عظمیٰ میں 16 مختلف لاپتہ افراد کے ورثا کی جانب سے دائر کی گئی درخواستوں کی سماعت جاری ہے اور ان تمام کیسز میں الگ الگ احکامات جاری کیے گئے تھے، عدالتی احکامات میں لاپتہ افراد کی انکوائری کمیشن کو 15 دن میں رپورٹ جمع کرانے جبکہ کچھ کیسز میں لاپتہ افراد کے اہل خانہ کو ان سے ملاقات کروانا بھی شامل ہے۔ کیس کی سماعت کے دوران ڈپٹی اٹارنی جنرل ساجد الیاس بھٹی نے عدالت کو بتایا کہ انہوں نے متعلقہ محکموں سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔ خیبر پختونخوا کے ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل میاں ارشد جان کا کہنا تھا کہ ملک کی 45 جیلوں میں سے صرف 5 یا 6 ہی خیبر پختونخوا حکومت کے دائرہ اختیار میں ہیں جبکہ باقی تمام وفاق کے زیر انتظام ہیں، جس پر ساجد الیاس بھٹی نے عدالت کو بتایا کہ خیبر پختونخوا کی جیلوں ہی حقیقت میں فعال ہیں۔ عدالت نے دونوں سینئر حکام کو معاملہ پر ایک دوسرے سے بحث کرنے کے احکامات جاری کرتے ہوئے کہا کہ جلد سے جلد رپورٹ جمع کرائی جائے اور بتایا جائے کہ جن افراد کو قید کیا گیا ہے کیا ان کا ٹرائل ہوا ہے یا نہیں؟ خیال رہے کہ لاپتہ افراد کو ایکشن ان ایڈ آف سول پاور ریگولیشن (اے اے سی پی آر) 2011 برائے دہشت گردی سے جڑے جرائم میں منسلک ہونے میں حراست میں لیا گیا تھا، جس کا نفاذ 27 جون 2011 کو کیا گیا تھا۔ ڈیفنس آف ہیومن رائٹس کی چیئر پرسن آمنہ مسعود جنجوعہ جو لاپتہ افراد کی بازیابی کے ساتھ ساتھ اپنے لاپتہ شوہر مسعود جنجوعہ کی رہائی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں، نے عدالت کو بتایا کہ وہ اب تک پشاور کے 11 حکام سے مل چکی ہیں جن کے زیر انتظام یہ جیلیں چل رہی ہیں لیکن کوئی بھی ملاقات نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکی۔ خیبر پختونخواں حکومت نے سپریم کورٹ میں رپورٹ جمع کراتے ہوئے کہا کہ تمام متعلقہ فریقین کے ساتھ ایک ملاقات کا انتظام کیا جا رہا ہے تاکہ لاپتہ افراد کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان انکوائری ایکٹ 1956 کے مطابق دوسرے راستے موجود ہیں جن میں 1448 کیسز بھی سامنے آئے تھے جن میں سے خیبر پختونخوا سے متعلق 800 کیسز کو خارج کر دیا گیا جب کہ 748 کیسز اب بھی زیر التوا ہیں۔ انہوں نے تجویز دی کہ ان کیسز کو بھی کمیشن میں منتقل کر دیا جانا چاہیے۔ خیبر پختونخوا کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ بین الاقوامی دہشت گردی اور پاکستان کے جغرافیائی مقام نے اسے دہشت گردی کا نشانہ بنا دیا ہے۔ علاوہ ازیں عدالت نے آمنہ جنجوعہ کو ہدایت جاری کیں کہ وہ اپنی پٹیشن کی جلد سماعت کے لیے درخواست جمع کرائیں۔ خیال رہے کے آمنہ جنجوعہ کی چار صفحات پر مشتمل پٹیشن میں عدالت سے گزارش کی گئی تھی کہ جو حکام لاپتہ افراد کے کیس میں ملوث ہیں انہیں طلب کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کام میں ملوث کمیشن کو بھی جیلوں کا دورہ کرنا چاہیے اور جیلوں میں ہونے والی تشویشناک حالت کے حقائق پر سے پردہ اٹھانا چاہیے۔ آمنہ جنجوعہ نے لکھا کہ انہیں مختلف جیلوں میں لاپتہ افراد کی مبینہ اموات کے کئی کیسز کا پتہ چلا ہے جبکہ کثیر تعداد میں لاپتہ افراد کے اہل خانہ نے عدالت سے گزارش کی کہ وہ اپنے عزیز سے ملاقات کی کوشش کے باوجود نہیں مل پائے۔ (بشکریہ ڈان)

6 دسمبر، اسلام آباد: افغان ایڈ کے ایک وفد نے ایچ آر سی پی کے کونسل اراکین اور سٹاف ممبرز سے ملاقات کی اور پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا

جبری گمشدگی: اقوامِ متحدہ میں پیش کی گئی رپورٹ جھوٹی ثابت ہونے کا خطرہ

اسلام آباد پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کے سینیٹر فرحت اللہ بابر نے حکومت کو اقوامِ متحدہ کے نظر ثانی اجلاس میں پاکستان کی جانب سے انسانی حقوق کی صورتحال کے حوالے سے رپورٹ میں ردو بدل کرنے کی کوشش سے خبردار کیا ہے۔ ڈان سے بات چیت کرتے ہوئے سینیٹر فرحت اللہ بابر کا کہنا تھا کہ خواجہ محمد آصف کی سربراہی میں پاکستان کا 14 رکنی وفد اقوامِ متحدہ کے یونیورسل سلسلہ وار نظر ثانی (یو پی آر) کے اجلاس میں شرکت کے لیے سوئٹزر لینڈ کے شہر جینوا جائے گا جہاں وہ اجلاس کے دوران انسانی حقوق کی صورتحال پر قومی رپورٹ کو پیش کریں گے اور اس کا دفاع بھی کریں گے۔ اقوامِ متحدہ کے یو پی آر اجلاس میں ممبر ممالک اپنے اپنے ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال کے حوالے سے رپورٹ پیش کریں گے اور ملک میں گزشتہ اجلاس کے دوران کیے گئے وعدوں کے مطابق انسانی حقوق کے حوالے سے کیے جانے والے اقدامات کی وضاحت بھی دیں گے۔ سینیٹر فرحت اللہ بابر نے بتایا کہ یو این پی آر کا گزشتہ اجلاس پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں ہوا تھا جس میں پاکستان نے ملک میں جبری گمشدگی کو جرم قرار دینے پر رضامندی ظاہر کی تھی تاہم اس مرتبہ خواجہ آصف کی جانب سے پیش کی جانے والی رپورٹ میں یہ مسئلہ موجود ہی نہیں ہے۔ تاہم انہوں نے تجویز دی کہ یہ بہتر ہوگا کہ اس اجلاس میں پاکستان دوٹوک اعلان کرے کہ وہ رواں برس کے اختتام تک ملک میں جبری گمشدگی کو جرم قرار دے دے گا۔ (بشکریہ ڈان)

لیڈی ڈاکٹر تعینات کی جائے

سنجاوی سنجاوی ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ اس کی آبادی چالیس ہزار افراد سے زائد ہے۔ یہاں بنیادی سہولیات کی شدید قلت ہے۔ سول ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر تک میسر نہیں۔ اہل علاقہ کا مطالبہ ہے کہ سنجاوی کے سول ہسپتال میں جلد از جلد لیڈی ڈاکٹر کی تعیناتی عمل میں لائی جائے تاکہ لوگوں کو صحت کی بنیادی سہولیات راہم ہوسکیں۔ (رضا الدین)

نفسیات مرض کانفرنس

علی حسن

حیدر آباد میں 17 سے 19 نومبر تک پاکستان سائیکٹرک سوسائٹی کے تحت قومی سائیکیٹرک کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ ملک بھر کے علاوہ لندن اور کنیڈا سے ماہرین نے شرکت کی۔

ماہرین تو دنیا بھر میں نفسیاتی مرض میں اضافہ کی بات کر رہے تھے۔ مجھے پاکستان کی صورت حال سے دلچسپی تھی۔ پاکستانی ماہرین سے گفتگو ہوئی تو حیرانی اور تشویش ہوئی کہ پاکستان میں بھی مریضوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ ان مریضوں کے علاج کے لئے ہسپتال ہیں اور نہ ہی ماہرین۔ ماہرین کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ اگر چاہیں بھی تو تمام مریضوں کو دیکھ نہیں سکتے ہیں۔

علاج تو دور کی بات ہے۔ ایک ماہر کا کہنا تھا کہ ملک کی آبادی بیس کروڑ ہے جب کہ ماہرین نفسیات کی تعداد صرف ساڑھے پانچ سو ہے۔ افسوسناک تناسب ہے۔ پاکستان میں ویسے تو تمام ہی مرض پھیل رہے ہیں اور بڑھ بھی رہے ہیں۔

ذیابیطس، بلڈ پریشر، گردے، قلب، سانس، تپ دق وغیرہ کے مریضوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہے۔ غیر معیاری خوراک، پانی اور دواؤں کے استعمال کی وجہ بھی مختلف امراض کا سبب ہے۔ اول تو سرکاری ہسپتالوں میں سہولتوں کی کمی ہے، ڈاکٹروں کی عدم دستیابی ہے دوم حکومت امراض پھیلنے کا تدارک نہیں کر پا رہی ہے۔ روک تھام کے لئے اقدامات کی ضرورت ہے جو نہیں ہو رہے ہیں۔ کوئی ایک حکومت ذمہ دار نہیں ہے۔

تمام متعلقہ ادارے اور سرکاری محکمہ ذمہ دار ہیں۔ غیر معیاری خوراک، غیر معیاری پانی، غیر معیاری دواؤں کے استعمال کے علاوہ کم آمدنی والے طبقے کا رہن سہن بھی بیماریوں میں اضافے کی وجہ قرار دی جاتی ہیں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ نفسیاتی مریضوں کی تعداد میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟ اب سر کاؤس جی جہانگیر جیسے لوگ تو موجود نہیں ہیں جو مخلوق کی سہولت کی خاطر ہسپتال تعمیر کرائیں اور مریضوں کو داخل کیا جائے۔ نفسیاتی مرض ایک مرحلے کے بعد ذہنی خلفشار کے نتیجے میں پاگل پن بن جاتا ہے۔

حکومتوں کی ترجیحات اپنی جگہ لیکن ان ترجیحات میں روک تھام کم اور علاج زیادہ ہیں۔ سرکاری اسپتالوں میں حکومتیں مشینیں فراہم کرتی ہیں، ڈاکٹر مقرر کرتی ہیں اور تقریبا بلا معاوضہ علاج کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں لیکن سارے ہی مرض بے قابو ہیں۔ تمام امراض کا علاج لوگ اسی وقت کراتے ہیں جب انہیں علم ہو جائے کہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہیں لیکن بلڈ پریشر اور نفسیاتی امراض ایسے ہیں جن کے بارے میں مریض کو اکثر علم ہی نہیں ہو پاتا ہے۔ بلڈ پریشر جب تک چیک نہ کرایا جائے، معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بلند ہے یا نہیں۔

اسی طرح نفسیاتی مرض کا معاملہ ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس لئے صحت مند تصور کرتا ہے کہ وہ بھوک کے وقت کھانا کھالیتا ہے۔ نیند کے وقت اگر نیند نہیں آتی تو میڈیکل اسٹور سے نیند کی دوا خرید کر استعمال کر لیتا ہے جو اس کے مرض کا

بنیادی سوال یہ ہے کہ نفسیاتی مریضوں کی تعداد میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟ اب سر کاؤس جی جہانگیر جیسے لوگ تو موجود نہیں ہیں جو مخلوق کی سہولت کی خاطر ہسپتال تعمیر کرائیں اور مریضوں کو داخل کیا جائے۔ نفسیاتی مرض ایک مرحلے کے بعد ذہنی خلفشار کے نتیجے میں پاگل پن بن جاتا ہے۔

علاج نہیں ہوتا۔

کئی سال قبل کی بات ہے ہمارے سینئر ساتھی ادریس بختیار صاحب نے ایک سیمینار کے دوران اپنے وقت کے ذہنی امراض کے ممتاز ڈاکٹر ذکی حسن سے پوچھا تھا کہ نفسیاتی اور ذہنی مریضوں کی تعداد کیا ہوگی جواب میں ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ تعداد کا تو کچھ پتا نہیں لیکن ذہنی مریض آپ کے ارد گرد ہی موجود ہوتے ہیں، نہ انہیں علم ہوتا ہے اور نہ ہی آپ اندازہ کر پاتے ہیں۔

ادریس صاحب نے اس وقت کے ایک وزیر جو اس موقعہ پر موجود تھے، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ذکی حسن سے پوچھا تھا کہ ان کے بارے میں کیا خیال ہے تو ڈاکٹر صاحب نے برملا جواب دیا تھا کہ یہ بھی مریض ہیں۔ وہ محکمہ صحت کے وزیر تھے۔ پاکستان کے معاشی، سیاسی اور سماجی حالات ایسے ہیں کہ یہاں اکثریت ذہنی مریض ہے۔ سب سے بڑا سبب آمدنی اور اخراجات کے درمیاں تناسب کا نہ ہونا ہے۔ مالی آسودگی ذہنی تناؤ کم کرتی ہے جب کہ مالی کمزوری ذہنی دباؤ کا سبب بنتی ہے۔

محنت کش، ہاری یا دیگر لوگ تو اپنی زندگی کے بارے میں یوں فکر مند نہیں ہوتے کہ انہیں یقین ہو چلا ہے کہ ان کے حالات بہتر نہیں ہوں گے۔

وہ اس کی امید ہی کھو بیٹھے ہیں۔ تن ڈھانپنے کو جو مل گیا، پہن لیا، پیٹ بھرنے کو جو مل گیا کھا لیا، کھری چارپائی یا زمین پر بغیر بستر سو گئے، صبح اٹھے تو نہ نہانے کی فکر، نہ کسی ناشتے کی فکر۔ بس کام میں جت گئے۔ دن تمام ہوا، گھر آ گئے۔

انہیں اس بات کی فکر نہیں کہ پینے کو کیسا پانی مل رہا ہے، علاج کی سہولت ہے یا نہیں، تعلیم کی سہولت ہے یا نہیں۔ بجلی کی عدم فراہمی کتنا متاثر کرتی ہے۔ ایسے لوگ تفریح طبع کے لئے مین پوری، گٹکا، کچی شراب جیسی چیزیں استعمال کر لیں گے۔

زیادہ مشکل کا شکار وہ لوگ ہیں جو نچلی اور اوپری سطح کے درمیانہ درجے سے تعلق رکھتے ہیں، اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی اولاد کا بہتر مستقبل چاہتے ہیں۔ اپنا وقت سکھ سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ ان کی پوری آمدنی اپنے بھرم کو برقرار رکھنے میں خرچ ہو جاتی ہے

زیادہ مشکل میں وہ لوگ ہین جنہیں کرایہ کے مکانات میں رہائش رکھنا پڑتی ہے۔ حکومتوں نے کبھی سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں کہ رہائش لوگوں کا بنیادی حق ہے، اس مسلہ کو حل کرے۔ ملک بھر میں بلڈروں نے جس طرح ہاتھ پاؤں پھیلائے ہیں اور مکانات کو مہنگا کر دیا ہے، حکومت اس پر کوئی روک تھام کرنے کا سوچتی ہی نہیں ہے۔ یہ سارے عناصر مل کر ہی لوگوں کو نفسیاتی مریض بنا رہے ہیں۔ ڈاکٹر معین انصاری کہتے ہیں کہ لوگوں کا رہن سہن بھی تبدیل ہو گیا ہے جس کی وجہ سے نفسیاتی مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ بتا رہے تھے کہ پانچ سال قبل مریضوں کی جو تعداد تھی اس میں دس گنا اضافہ ہو گیا ہے۔

لوگوں کے جاگنے اور سونے کے اوقات تبدیل ہو گئے ہیں، رات گئے تک ٹی وی پر بیٹھے رہنا معمول بن گیا ہے۔ پیسے والوں کی دیکھا دیکھی ہر چیز کی خواہش دل میں لئے گھومنا بھی نفسیاتی مرض کی وجہ ہے۔

کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن سے آئی ہوئی مہر خان نے تصدیق کی کہ ضروریات کے مقابلے میں لوگ خواہشات کو ترجیح دیتے ہیں جو مسائل کا سبب بنتی ہے۔ کیوں ضروری ہے کہ ہر وہ چیز آپ کو بھی چاہئے جو کسی پیسے والے کے پاس ہو۔

لوگ اگر خواہشات کو بھی مار لیں تو بھی پاکستان میں نفسیاتی مرض کا پھیلنا تعجب خیز نہیں ہے کیوں کہ زندگی کی بہتر بنیادی سہولتیں فراہم کرنا حکومتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے جس کا پاکستان میں حکومتوں کو طویل عرصے سے احساس ہی نہیں ہے۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

صحت

پولیو ٹیم پر حملہ، دو لیڈی ہیلتھ ورکرز پر تشدد

حیدرآباد ضلع بھر میں شروع ہونے والی 4 روزہ انسداد پولیو مہم کے دوسرے روز ہیرآباد میں گورنمنٹ میراں گرلز سکول کے قریب بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلانے سے انکاری شخص نے لیڈی ہیلتھ ورکرز کو تھپڑ مارے اور فرار ہو گیا۔ واقعے کے بعد مہم عارضی طور پر روک دی گئی۔ متاثرہ ورکرز نے مارکیٹ پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے فوری طور پر مذکورہ شخص کے گھر پر چھاپہ مارا تاہم ملزم کی عدم موجودگی پر اس کے 2 بھائیوں فیصل اور شاہد کو حراست میں لے لیا۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر اور محکمہ صحت کے نمائندے ڈاکٹر مسعود جعفری و دیگر افسران بھی تھانے پہنچ گئے۔ پر تشدد واقعہ اس وقت پیش آیا جب لیڈی ہیلتھ ورکرز کائنات اور جنت ہیرآباد میں سعید قریشی کے گھر ویکسین پلانے پہنچیں تو ملزم نے نہ صرف سخت رویہ اختیار کیا بلکہ ٹیم ممبران کو لوہے کا چوکھا مارنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر مسعود جعفری کے مطابق ملزم نے اپنے بچوں کو قطرے پلانے سے انکار کیا جس پر ٹیم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے حملہ کر دیا۔ شکیل ابڑو نے ایچ آر سی پی کے کارکن کو بتایا کہ واقعے کی مکمل تحقیقات کی جائے گی۔ واضح رہے کہ گزشتہ ماہ بھی انسداد پولیو مہم کے دوران کھوکھر محلے میں لیڈی ہیلتھ ورکرز کے ساتھ نوجوان کے ایک گروہ نے بدتمیزی کی تھی لیکن اس کے باوجود مہم میں حصہ لینے والے ہیلتھ ورکرز کو سکیورٹی فراہم نہیں کی گئی۔ (لالہ عبدالحلیم)

ایڈز کیسے شکار کرتا ہے اور علامات کیا ہیں؟

کراچی ایڈز ایسا مہلک اور جان لیوا مرض ہے جس کا اب تک علاج دریافت نہیں کیا جا سکا۔ 1981 میں منظر عام پر آنے والے اس مرض کے حوالے سے ہر سال یکم دسمبر کو ورلڈ ایڈز ڈے منایا جاتا ہے۔ جیسا آپ کو علم ہوگا کہ انسانی جسم میں مختلف بیماروں سے بچنے کے لیے ایک طاقتور دفاعی نظام کام کر رہا ہوتا ہے اور ایڈز اسی کو ناکارہ کرتا ہے۔ گزشتہ دنوں سندھ ایڈز کنٹرول پروگرام کے فوکل پرسن نے بتایا تھا کہ پاکستان میں ایک لاکھ 26 ہزار افراد ایڈز کے موذی مرض سے متاثر ہیں یا مجموعی آبادی کا ایک فیصد سے کم حصہ اس کا شکار ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت پاکستان کو اس بیماری کے حوالے سے خصوصی توجہ دینی چاہیے ورنہ پورے ملک کا بجٹ بھی اس بیماری کے خاتمے کے لیے کم پڑے گا۔

ایڈز کیا ہے؟

ایڈز کا مرض ایک وائرس ایچ آئی وی کے ذریعے پھیلتا ہے جسے جسمانی مدافعتی نظام ناکارہ بنانے والا وائرس بھی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ جنسی بے راہ روی، ایڈز کے وائرس سے متاثرہ سرنج اور سوئیاں دوبارہ استعمال کرنے، وائرس سے متاثرہ اوزار جلد میں چبھنے، جیسے ناک، کان چھیدنے والے اوزار، دانتوں کے علاج میں استعمال ہونے والا آلات، حجام کے آلات اور سرجری کے لیے استعمال ہونے والے آلات سے کسی فرد میں منتقل ہو سکتا ہے۔

علامات

اس کی ابتدائی علامت معمولی زکام ہو سکتا ہے جس پر عموماً دھیان نہیں دیا جاتا، جبکہ ایڈز کا مریض مہینوں یا برسوں تک صحت مند بھی نظر آتا ہے یعنی وہ بتدریج ایڈز کا مریض بنتا ہے۔ دیگر بڑی علامات میں بہت کم وقت میں جسمانی وزن دس فیصد سے کم ہو جانا، ایک مہینے سے زیادہ اسہال رہنا، ایک مہینے سے زیادہ بخار رہنا وغیرہ۔

ایڈز سے بچا کیسے جائے

ہمیشہ اپنے شریک حیات تک محدود رہیں اور جنسی بے راہ روی سے بچیں، اگر انجیکشن لگوانا ہے تو ہمیشہ نئی سرنج کا استعمال کریں، خون کی منتقلی اسی صورت میں کروائیں جب ضروری ہو، جبکہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ خون ایڈز کے وائرس سے پاک ہو۔ یہ مرض کسی مریض کے ساتھ گھومنے، ہاتھ ملانے یا کھانا کھانے سے نہیں پھیلتا، لہٰذا مریض سے دور بھاگنے کی ضرورت نہیں۔

(بشکریہ ڈان)

پولیو کے خاتمے کیلئے قومی منصوبے پر موثر عمل درآمد کی ضرورت

اسلام آباد پولیو کے خاتمے کے پروگرام پر کام کرنے والے اعلیٰ تکنیکی ادارے کے 8 رکنی وفد نے پاکستان کو تجویز دی ہے کہ پولیو کے خاتمے کے لیے قومی ایمرجنسی ایکشن پلان (این ای اے پی) پر موثر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق تکنیکی ایڈوائزری گروپ (ٹیگ) کے سربراہ ڈاکٹر جین مارک اولیو نے پاکستان کا دورہ کیا اور اعلیٰ حکام سے ملاقاتیں بھی کیں۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر جین مارک اولیو پاکستان، افغانستان، افریقہ اور شام میں ٹیگ کے چیئرمین ہیں اور وہ سال میں دو مرتبہ پاکستان کا دورہ کرتے ہیں اور پولیو وائرس ختم کرنے کے حوالے سے پیش رفت کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سے متعلق تجاویز پیش کرتے ہیں، آخری مرتبہ گروپ نے 31 مارچ کو پاکستان کا دورہ کیا تھا اور معمول کے حفاظتی نظام میں بہتری کی تجویز دی تھی۔ پولیو کے خاتمے کے لیے بنائے گئے نیشنل ایمرجنسی آپریشن سینٹر کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر رانا محمد صفدر نے ڈان کو بتایا کہ پاکستان وائرس کے خاتمے کے قریب ہے، رواں سال پولیو کے صرف پانچ کیسز رپورٹ ہوئے، لہٰذا ہدف تک پہنچنے کے لیے گروپ سے مزید ہدایت لینے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ٹیگ نے قومی ایمرجنسی ایکشن پلان پر موثر عمل درآمد کی تجویز دی ہے، جس میں پولیو کی پانچ قومی اور چار صوبائی مہمیں شامل ہیں، اس کے علاوہ قومی ایمرجنسی ایکشن پلان کے مطابق اگر کوئی پولیو وائرس کا کیس رپورٹ ہوتا ہے تو اسے زیادہ سنجیدگی سے لیا جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ایکشن پلان کے مطابق نقل مکانی کرنے والوں پر خصوصی توجہ رکھنی ہے کیونکہ پولیو وائرس لوگوں کے ذریعے ایک علاقے سے دوسرے علاقے منتقل ہوتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بڑی تعداد میں شہری کاروبار، ملازمت اور موسم کی تبدیلی کی وجہ سے نقل مکانی کرتے ہیں، لہٰذا پولیو مہم کے دوران ان کو دیکھنے اور توجہ مرکوز رکھنے کی ضرورت ہے، ساتھ میں لوگوں میں آگہی پھیلانا بھی منصوبے کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر رانا صفدر نے کہا کہ ٹیگ نے تجویز دی ہے کہ کراچی کے کچھ بلاکس پر توجہ دی جائے کیونکہ وہاں پولیو وائرس کے ماحولیاتی نمونے ملے تھے۔ ٹیگ کے بیان کے مطابق ٹیگ پولیو کے کیسز کو کم کرنے سے متعلق پیش رفت کی تصدیق کرے گا، بیان میں کہا گیا ہے کہ دیکھا گیا ہے کہ کراچی اور جنوبی اور شمالی علاقوں کے بنیادی ضروریات سے محروم علاقوں میں پولیو وائرس کی منتقلی جاری رہی تھی۔ اس حوالے سے پولیو کے خاتمے پر وزیر اعظم کی فوکل پرسن سینیٹر عائشہ رضا فاروق کا کہنا تھا کہ اس پروگرام میں اصل رکاوٹ کی وجہ پوری طرح سے بقیہ چیلنجز اور حائل رکاوٹوں پر قابو پانے سے آگہی کا نہ ہونا تھا تاہم اس پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔ (بشکریہ ڈان)

عوام کو صاف پانی کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے

اسلام آباد سپریم کورٹ میں کراچی کو صاف پانی کی فراہمی کیس کی سماعت کے دوران چیف جسٹس ثاقب نثار نے کہا کہ انسانی جانوں کا معاملہ ہے خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ حکومت ذمہ داری نبھانے میں ناکام ہو تو عدلیہ کو مداخلت کرنی پڑتی ہے ہم کسی کیلئے بغض نہیں رکھتے۔ نہیں چاہتے کہ فیصلہ دیں تو کوئی کہتا پھرے فیصلہ کیوں دیا۔ عدالت نے وزیراعلیٰ سندھ مراد علی شاہ اور سابق سٹی ناظم مصطفیٰ کمال کو 6 دسمبر کو طلب کیا۔ وزیراعلیٰ سندھ نے کثیر منزلہ عمارتوں کی تعمیر پر پابندی اٹھانے سے انکار کر دیا۔ چیف جسٹس نے حکومتی اقدامات پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ چیف جسٹس ثاقب نثار نے کہا کہ شہریوں کو صاف پانی اور ماحول فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے، جمہوری نظام میں عدلیہ کو نگران کی حیثیت حاصل ہے، ریاست کا کوئی ستون کام نہ کرے تو ہم اس سے پوچھیں گے۔ واٹر کمیشن کی ویڈیو سپیکر سندھ اسمبلی کو بھجوائی گئی تھی مگر اسمبلی میں نہیں دکھائی گئی، اگر اختیار کی بات ہے تو اس تنازعہ میں نہ پڑیں ہم جانتے ہیں کہ ہم کیا حکم دے سکتے ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ہمارا کیا اختیار ہے، ہم پیمرا کو ویڈیو بھیجیں گے تاکہ تمام چینلز پر نشر کی جائے، ہم پوچھیں گے کہ کتنا پیسہ کہاں سے آیا اور کہاں گیا؟، ہم کسی سرکاری افسر سے نہیں بلکہ سندھ اور پنجاب کے وزیراعلی سے پوچھیں گے، پنجاب میں بھی برا حال ہے، نہروں میں زہریلا پانی شامل ہو رہا ہے۔ درخواست گزار شہاب اوستو نے کہا کہ واٹر کمیشن کی رپورٹ کے مطابق سندھ میں 77 فیصد پانی قابل استعمال نہیں اور کراچی میں 80 فیصد پانی میں انسانی فضلہ شامل ہے۔ چیف جسٹس پاکستان جسٹس میاں ثاقب نثار نے کہا ہے کہ حیرت کی بات ہے لاڑکانہ حکمران جماعت کا گڑھ ہے مگر وہاں 88 فیصد پانی گندا فراہم کیا جا رہا ہے۔ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں، پوتوں کو پینے کا صاف پانی ملے۔ پانی کا مسئلہ واٹر بم کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ کراچی اور سندھ کے مسائل سن کر بہت فکرمند ہوں۔ ہم عوام کی جانوں کا تحفظ کریں گے کسی بلڈر کا نہیں۔ ہماری زمین کو کس نے خراب کیا اور کس نے خلل ڈالا، گندا پانی ہونے کے باعث کینسر، ہیپاٹائٹس اور دیگر امراض میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں۔ اس معاملے کی سماعت کو عام نہ لیا جائے یہ معاملہ انتہائی اہم ہے۔ پانی کو صاف بنانے کا کام عدالتوں کا نہیں ریاست کا ہے۔ عدالت یہاں صرف یہ جاننے آئی ہے جس کام کیلئے پیسہ لیا گیا وہ پیسہ اس کام کیلئے کیوں نہیں لگایا گیا۔ عدالت نے ایڈووکیٹ جنرل سندھ کو حکم دیا کہ بہت ڈرامے ہو گئے اب سخت ایکشن لیا جائے۔ جبکہ عدالت میں ایم ڈی واٹر بورڈ اور دیگر افسروں کا کہنا تھا کہ حکومت کی جانب سے پینے کے صاف پانی سے متعلق اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ عدالت کا کہنا تھا کہ پیمرا کو بھی یہاں پر اپنا کردار ادا کرنا چاہئے کہ وہ ایسی ویڈیوز دکھائیں تاکہ عوام کو پتہ چل سکے کہ عوام کس طرح کا گندا پانی پی رہے ہیں۔ عدالت کا کہنا تھا کہ تعلیم اور ہیلتھ پر کام نہیں کیا جا رہا جس کی بہت سے شکایتیں ہیں اب کیا سپریم کورٹ ہی ہر معاملے پر نظر رکھے گی۔ عدالت نے کہا اب ہم افسروں سے نہیں صوبے کے وزیراعلیٰ سے پوچھیں گے۔ دریں اثناء سپریم کورٹ کراچی رجسٹری میں کثیر المنزلہ عمارتوں پر پابندی کے خلاف نظرثانی کی درخواستوں کی سماعت چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس ثاقب نثار سمیت تین رکنی بینچ نے کی دوران سماعت جسٹس ثاقب نثار نے کہا کہ کثیر المنزلہ عمارتیں تو بنا لیتے ہیں، پینے کا پانی کہاں ہے ریاست کا کام لائنوں کے ذریعے شہریوں کو پانی دینا ہے، کوئی مرغیوں کا پنجرہ بھی بناتا ہے تو اس میں مرغی کے بیٹھنے کا خیال رکھتا ہے۔ جسٹس ثاقب نثار نے ریمارکس دیئے کہ گندہ پانی پینے والے نہ جیتے ہیں اور نہ مرتے ہیں زندگی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہے رفاہی پلاٹوں پر قبضے اور پانی نہ ملنے پر لوگ نئے شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔

(نامہ نگار)

طبی معائنے کے حوالے سے پاکستان دوسرا بدترین ملک

اسلام آباد پاکستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے، جہاں نہ صرف صحت کی سہولیات کا فقدان ہے، بلکہ وہ مریضوں کے معائنے کے حوالے سے بھی بدترین پوزیشن پر موجود ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ پاکستان میں ڈاکٹرز کی سخت قلت ہے، تاہم ایک حالیہ عالمی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ پاکستان مریضوں کے طبی معائنے کے حوالے سے دوسرا بدترین ملک ہے۔ خیال رہے کہ پاکستان میں 21 کروڑ سے زائد افراد کے لیے سال 2014 کے آخر تک رجسٹرڈ ڈاکٹرز کی تعداد ایک لاکھ 75 ہزار 600 تھی۔ جرنل آف پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن (جے پی ایم اے) کے مطابق پاکستان میں میڈیکل کی تعلیم کے لیے طلبہ کے داخلہ لینے کی شرح تو زیادہ ہوتی ہے، لیکن ان طلبہ سے ڈاکٹرز بننے والے افراد کی تعداد اس سے کہیں کم ہوتی ہے۔ سائنس جرنل بی ایم جے میں شائع ایک مضمون کے مطابق مریضوں کے معائنے کے حوالے سے پاکستان دنیا کے 67 ممالک میں دوسرا بدترین ملک ہے۔ مریضوں کے معائنے کے حوالے سے دنیا کا سب سے بدتر ملک بنگلہ دیش ہے، جہاں ایک ڈاکٹر اوسطاً ایک مریض کو محض 48 سیکنڈز تک ہی دیکھ پاتا ہے۔ ان 48 سیکنڈز میں ڈاکٹر نہ صرف مریض کی بیماری کا اندازہ لگاتا ہے، بلکہ اسے صحت مند ہونے کے لیے دوائیں تجویز کرنے سمیت اسے اب تک کی صورتحال سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ مریضوں کے معائنے کے حوالے سے دوسرا بدترین ملک پاکستان ہے، جہاں ایک ڈاکٹر اوسطاً ایک مریض کو ایک منٹ 13 سیکنڈز تک دیکھ پاتا ہے۔ یعنی پاکستانی ڈاکٹرز بنگلہ دیشی ڈاکٹرز کے مقابلے اپنے مریضوں کو 63 سیکنڈ اضافی وقت دیتے ہیں۔ اسی طرح 67 ممالک میں مریضوں کے معائنے کے حوالے سے بھارت تیسرا بدترین ملک ہے، جہاں ایک ڈاکٹر اوسطاً ایک مریض کو 2 منٹ تک دیکھتا ہے۔ یہ حیران کن بات ہے کہ جنوب ایشیائی تعاون تنظیم (سارک) کے تینوں ممبر ممالک مریضوں کے معائنے کے حوالے سے بدترین ممالک میں شمار ہوئے ہیں۔ اگرچہ تینوں ممالک نے سارک کے ذریعے خطے میں صحت کی سہولیات عام کرنے سے متعلق کمیٹی بھی بنا رکھی ہے، تاہم خطے کی صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بی اے جے او پن جرنل کی رپورٹ کے مطابق ان کوائف کے لیے ماہرین نے 67 ممالک کے ڈاکٹروں کے ریکارڈ کا معائنہ کیا، یہ ریکارڈ 1953 سے 2016 تک کا تھے، اور سروے کے دوران 2 کروڑ 80 لاکھ دستاویزات کا جائزہ لیا گیا۔ سروے سے پتہ چلا کہ مریضوں کے معائنے کے لیے پہلی دنیا کے ممالک سرفہرست ہیں۔ سروے میں شامل 67 ممالک میں سب سے زیادہ سویڈن کے ڈاکٹر مریضوں کو زیادہ وقت دیتے ہیں، وہاں اوسطا ایک ڈاکٹر ایک مریض کو 22 منٹ تک دیکھتے ہیں۔ یورپی ملک ناروے میں بھی ڈاکٹرز مریضوں کو 20 منٹ سے زائد وقت تک دیکھتے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ امریکا بھی یورپی ممالک سے پیچھے ہے، وہاں کے ڈاکٹرز اوسطاً ایک مریض کو 20 منٹ تک دیکھتے ہیں، جب کہ برطانیہ کی حالت تو امریکا سے بھی بدتر ہے، جہاں ایک مریض کو ڈاکٹر اوسطاً 10 منٹ سے کچھ زیادہ وقت دے پاتا ہے۔ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ امریکا اور برطانیہ میں ہر سال ڈاکٹرز کی جانب سے مریضوں کو زیادہ وقت دینے میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکا میں ڈاکٹرز کی جانب سے معائنے کے وقت میں اوسطاً سالانہ 12 سیکنڈز اور برطانیہ میں 4 سیکنڈز کا اضافہ ہو رہا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

صدرِ مملکت کے نام رحم کی درخواست

آئی۔اے۔رحمان

محترم ممنون حسین

صدر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

محترم صدرِ مملکت،

عزت مآب، میں یہاں ایک معاملہ آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں اور اس حوالہ سے آپ کی خاص توجہ کا طلب گار ہوں۔ تاکہ چھ افراد ایک کربناک حالت سے نجات پاسکیں۔ ان میں سے ایک خاتون صحافی اور انسانی حقوق کی کارکن ہیں، دوسرا سرحد پار سے تعلق رکھنے والا ایک نوجوان استاد ہے اور باقی چار نوجوان طلبہ ہیں جو بدقسمتی سے بلوچ خاندانوں میں پیدا ہوگئے۔

زینت شہزادی جو ایک نوجوان اور غریب صحافی ہیں اور جن کا کوئی بڑا خاندانی پس منظر بھی نہیں ہے ان کا خواب تھا کہ وہ دیگر انسانوں کے کام آئیں۔ انہیں لاہور میں گیارہ جولائی 2015 کو ان کے گھر کے باہر سے اغوا کیا گیا اور ان کا نام لاپتہ افراد کی فہرست میں شامل ہوگیا۔ چونکہ مجھے یقین نہیں ہے کہ آپ کو میڈیا کی جو روزمرہ رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں ان میں گمشدگیوں جیسے عام واقعات کا ذکر ہوتا ہوگا۔

چنانچہ میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ اس نوجوان خاتون کی تکلیفوں کی کہانی کچھ تفصیل سے سنائی جائے۔

جب زینت شہزادی کو پتا چلا کہ حامد انصاری نام کا ایک بھارتی شہری ایک پاکستانی لڑکی کی مدد کی کوشش میں مصیبت میں پھنس گیا ہے تو انہیں لگا کہ یہ معاملہ انہیں انسانی حقوق کی ایک بااعتماد اجلاس کارکن اور ماہر صحافی بنا سکتا ہے۔ انہوں نے حامد انصاری کی والدہ کو قائل کیا کہ وہ انہیں اس معاملے کو پشاور ہائیکورٹ میں اٹھانے کی اجازت دیں۔ وہ ایک عوامی اجلاس میں بھارتی ہائی کمشنر سے بھی ملیں اور شاید وہ اس کیس میں ان کی مدد چاہتی تھیں۔

یہ ساری باتیں قانون کی خلاف ورزی نہیں تھیں کیونکہ ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ ان کی گمشدگی کا معاملہ لاپتہ افرد پر بنائے گئے انکوائری کمیشن کو بھیج دیا گیا تھا جس کی سربراہی اُس وقت سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج محترم جاوید اقبال کررہے تھے۔

کمیشن کے لاہور میں کئی اجلاس ہوئے اور کمیشن نے پولیس اور مشترکہ تحقیقاتی ٹیم کی رپورٹیں بھی سنیں۔ مشترکہ تحقیقاتی ٹیم میں انٹیلی جنس کے نمائندے بھی شامل تھے لیکن یہ لوگ شہزادی کو تلاش نہ کرسکے۔ ان کا خاندان شدید اضطراب کا شکار ہوگیا۔ مایوسی کی وجہ سے ان کے چھوٹے بھائی نے خودکشی کرلی۔

پھر چند ہفتے پہلے ایک خوشگوار صبح کو محترم جاوید اقبال نے خود پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کو فون کرکے بتایا کہ شہزادی کو ان کے گھر والوں سے ملا دیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں انسانی حقوق کے کارکن اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کہانی کی صداقت پر بات نہیں کریں گے کہ شہزادی کو بلوچستان کی سرحد پر کچھ غیر ریاستی عناصر کے قبضے سے چھڑایا گیا ہے۔

شہزادی کی والدہ نے بھی ان کی واپسی کی تصدیق کی لیکن شہزادی سے فون پر بات نہ ہوسکی۔ کچھ وقت کے بعد ان کی والدہ نے بتایا کہ وہ اسلام آباد کے ہسپتال میں ہیں۔ اس کے بعد ان کی والدہ نے کبھی فون نہیں اٹھایا۔

شہزادی کی والدہ نے بھی ان کی واپسی کی تصدیق کی لیکن شہزادی سے فون پر بات نہ ہوسکی۔ کچھ وقت کے بعد ان کی والدہ نے بتایا کہ وہ اسلام آباد کے ہسپتال میں ہیں۔ اس کے بعد ان کی والدہ نے کبھی فون نہیں اٹھایا۔

جناب، پاکستان اور بیرون ملک موجود انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والی ساری برادری شہزادی کی دوسری گمشدگی سے پریشان ہے۔ یقیناً آپ یہ اختیار رکھتے ہیں کہ جو لوگ شہزادی کو عوام سے دور رکھ رہے ہیں ان سے کہہ سکیں کہ وہ شہزادی کو عوام کے سامنے آنے کی اجازت دیں۔ یہ ان کیلئے شاید ناممکن نہیں ہوگا کہ وہ کسی قریبی پریس کلب یا عدالت جاکر شہزادی کا بیان ریکارڈ کرواسکیں۔ سپریم کورٹ نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ لاپتہ افراد کی بازیابی کے بعد ان کے بیانات ریکارڈ کئے جائیں۔

جناب، پاکستان اور بیرون ملک موجود انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والی ساری برادری شہزادی کی دوسری گمشدگی سے پریشان ہے۔ یقیناً آپ یہ اختیار رکھتے ہیں کہ جو لوگ شہزادی کو عوام سے دور رکھ رہے ہیں ان سے کہہ سکیں کہ وہ شہزادی کو عوام کے سامنے آنے کی اجازت دیں۔ یہ ان کیلئے شاید ناممکن نہیں ہوگا کہ وہ کسی قریبی پریس کلب یا عدالت جاکر شہزادی کا بیان ریکارڈ کرواسکیں۔ سپریم کورٹ نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ لاپتہ افراد کی بازیابی کے بعد ان کے بیانات ریکارڈ کئے جائیں۔

میری فہرست پر دوسرے فرد حامد انصاری ہیں۔ وہ بھارتی مینجمنٹ انسٹیٹیوٹ میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ فیس بک کے ذریعے وہ کوہاٹ سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی سے دوستی کر بیٹھے، لڑکی کو خوف تھا کہ اس کے حقوق پامال ہو رہے ہیں چنانچہ انہوں نے اس کی مدد کیلئے پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔ وہ پاکستانی ویزہ حاصل نہ کرپائے لیکن افغانستان گئے اور وہاں سے قانونی کاغذات کے بغیر پاکستان میں داخل ہوگئے۔ انہیں 14 نومبر 2012 کو کوہاٹ کے ایک ہوٹل سے گرفتار کرلیا گیا۔ گزشتہ پانچ سال سے وہ پاکستانی حکام کی قید میں ہیں۔ ان پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا ہے نہ کہ پاکستان میں غیر قانونی داخلے کا۔ انہیں ایک فوجی عدالت نے تین سال قید کی سزا سنائی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حامد نے ایک غلط کام کیا لیکن ان کا مقصد غلط نہیں تھا۔ وہ یا تو محبت کے ہاتھوں مجبور ہوئے یا پھر مایوسی میں گھری خاتون کی مدد کی خواہش انہیں یہاں کھینچ لائی۔ وہ پہلے ہی اپنی سادہ لوحی کی بھاری قیمت چکا چکے ہیں۔ حامد کی والدہ نے راقم الحروف کو خط لکھ کر درخواست کی ہے کہ میں رحم کی درخواست کو متعلقہ حکام تک پہنچادوں۔ ان کی درخواست یہ ہے کہ ان کی سزا میں ان کی گرفتاری کا دورانیہ تین سال بھی شامل کرلئے جائیں اور انہیں انسانی بنیادوں پر رہا کردیا جائے اور انہیں اپنی گھر والوں سے ٹیلیفون پر بات بھی کرنے دی جائے۔ محترم صدر، آپ کی حکومت حامد انصاری سے کہیں زیادہ سنگین جرائم کرنے والے غیر ملکی شہریوں کو معاف کر چکی ہے اگر آپ حامد انصاری کی باقی سزا معاف کردیں تو اس سے پاکستان کی انسانی حقوق کے مطالبات ماننے کے حوالے سے ساکھ بھی بہتر ہوگی اور بھارتی جیلوں میں قید پاکستانی شہریوں کو ریلیف ملنے کے امکانات بھی روشن ہوجائیں گے۔

آخر میں آپ کی توجہ چار بلوچ طالبعلموں کی گمشدگی کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو گرفتاری کے بعد لاپتہ ہوئے ہیں۔ ان کے نام ثناء اللہ، حسام، نصیر اور رفیق ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ سرکاری جواب یہی ہوگا کہ یہ تو روز ہوتا ہے لیکن جو روز ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی دن بند کرنا ہوگا۔ اگر ان طلبہ نے کوئی جرم کیا ہے تو ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلنا چاہیے۔ ان کا اپنے خاندان سے ملنے، وکیل تک رسائی، درست ٹرائل کا حق اور قانونی عمل کی پاسداری کی ضمانت کے حق پر سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔ برائے مہربانی آپ متعلقہ حکام کو بتادیں کہ نوجوان طبقے کے ساتھ سختی برتنے سے بلوچ عوام کی ریاست سے دوری اور بڑھے گی۔ بلوچوں کے دل صرف اسی وقت جیتے جاسکتے ہیں جب انہیں مطلوب عزت ملے اور ان کے حقوق کو یقینی بنایا جائے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ قانون کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ لیکن میں نے آپ کو خاص طور پر اس لئے لکھا ہے کیونکہ قانون ان معاملات میں اپنا کام نہیں کررہا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ سے رابطے کیلئے مقرر کردہ چینلز کا سہارا نہیں لیا لیکن مجھے یہ یقین ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کسی رحم کی اپیل کو نظرانداز نہیں کرسکتے خواہ وہ کسی بھی ذریعے سے ان تک پہنچے۔

آپ کا خیرخواہ، آئی اے رحمان، انسانی حقوق کا کارکن

20 نومبر: ایچ آر سی پی نے ''بچوں کے حقوق کے عالمی دن'' کے موقع پر کئی اسکولوں میں تقاریب کا اہتمام کیا گیا

29 نومبر: ''معذوری کے شکار افراد کے عالمی دن'' کو منانے کے لیے معذوری کے شکار بچوں کے سکولوں / مراکز کا دورہ کیا گیا اور اُن کے حقوق پر تبادلہ خیال کیا گیا

''انسانی حقوق کا عالمی منشور اور پاکستان میں اظہار رائے پر پابندیوں کے حوالے سے'' مشاورتی نشستیں منعقد کی گئیں

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15